

فوق العرش

شوقین جاسوس

پہلا باب

ایک عاشق نامعشوق

~~~~~

عشق اول در دل معشوق پیدا میشود  
مانہ سوز و شمع کئے پروانہ شیدا میشود

اس وقت شہر دہلی اپنی ترقی اور بہبودی کے لیے کارہائے نمایاں کر رہا ہے جو شخص آج سے دس سال قبل یہاں تھا اب اگر دیکھے تو ا غلب ہے کہ بہت مشکل سے اسکو اختیار کرے گا۔ اس کے بغیر تعداد و کثرت بہت ہے اور معمولی مکانات بڑے بڑے عالی شان عمارات۔ باغات اور مناظر میں تبدیل ہو گئے ہیں حبس مقام پر تراغ و زعفران کا نشیمن تھا وہاں اب گنجان باز اور پارک نظر آ رہے ہیں مینوسلنگی کا معقول انتظام ہونے کی وجہ سے کوئیکو لالین روشن ہیں گو کہ ان کی دین روغن کی کفایت کی وجہ سے بہت ہی کم رہی گئی ہیں تب بھی گلی کے اُسے جاننے والا برابر نظر آتے ہیں۔ اس وقت رات کا ایک بج رہا ہے ایام موسم۔

گرمایں۔ دن بھر سوچنے کے بعد شام سے کچھ ٹھنڈا ہو گیا ہے شہر دہلی کے تمام بازار بند ہو چکے ہیں گلیوں اور سڑکوں پر اب تک ایسے آدمی چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ جو باتو لیلو سے کسی ڈیوٹی پوری کیے یا کسی شاید بازاری کے کوٹھے پر سے اپنا منہ کالا کئے آ رہے ہیں۔ راستوں پر اکثر لوگ اپنے مکانوں کے سامنے چار یا پلوں پر سوتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اسوقت ہماری نظر شہر دہلی کے ایک آباد محلہ کی گلی پر پڑتی ہے جہاں کہ ایک نوجوان لڑکا مسہری پر لیٹا ہوا نہایت لطف و عیش کے ساتھ خواب استراحت میں ہے۔ اس چار پائی سے کچھ فاصلے پر دو ایک چار یا لکڑیاں اور بڑی ہیں جن پر شاید اسکے خدشہ ساز سورت ہیں وہ دیکھتے سامنے سے کون آ رہا ہے اسے یہ تو چار پائی کے پاس آ کر رک گیا اسکی پوشاک تو بہت کشیف ہیں اور یہ سب تاریکی کے شناخت بھی نہیں کیا جاسکتا ایسے ہمیں چھپکر اسکے حرکات و سکنات پر نظر رسا ہونا چاہئے وہ دیکھتے اسنے سونے والے کے پیر کا انگوٹھا پکڑ کر ہلایا۔

سونے والا رخنہ دگی میں ہٹو بھائی۔

جگانے والا جھٹکا دیکر جناب۔

سونے والا۔ کیوں تم کون ہو۔

جگانے والا۔ کیا ظہیر الدین آپ ہی کا اسم شریف ہے۔

سونے والا۔ ہاں ہے تو مگر مطلب۔ تم کون ہو اور کس مصلحت سے یہاں آ ہو

اتنا کہ ظہیر الدین کے دل میں کچھ مسیب اور دہشت ناک جذبات کا اثر ہوا

اور اپنی حفاظت کے لیے کچھ نہ پا کر نہایت ہوشیاری سے جوتے کی طرف مٹھ پڑا یا

مگر اس شخص کو لمحہ خیال کرتے پھر خاموش ہو کر بیٹھ گیا اور پوچھا "اوسے بھائی آخر

تم کون ہو کچھ تو بتاؤ کہ مجھ سے بھاری کیا غرض ہے۔"

جگانے والا۔ سزئی۔ غرض کا تو انکشان خود بخود ہو جائے گا پہلے یہ بتا دے کہ کیا

آپ مجھ سے بالکل ناواقف ہیں۔

ظہیر الدین۔ ہاں ان میں تم کو بالکل نہیں جانتا کہ یہ ڈاکر فوراً بتاؤ کہ تم کون ہو

ورنہ میں ابھی اسے لو کر واپس کو ہوشیار کر دیتا ہوں۔

جگانے والا۔ آپ ہر قسم کے برادر کیوں ہوتے ہیں جب سین تباؤں کے آپ

خود جان جائے گا مگر یہ تو بتائیے کہ آپ ظہیر الدین ہی ہیں نا۔  
 ظہیر الدین۔ ریتاؤں کی لفظ سے چونک کر تو کیا تم عورت ہو۔ میں تو ظہیر الدین  
 ہوں مگر تمھارا نام۔

جگانے والا۔ کیا بتاؤں کہ میرا کیا نام ہے کینز۔ کو شمیمہ کہتے ہیں کیا آپ نصیر الدین  
 خان کو جانتے ہیں۔

ظہیر الدین۔ کون نصیر الدین جو چوک میں سوداگری کا کام کرتے ہیں۔  
 شمیمہ۔ جی ہاں وہی۔

ظہیر الدین۔ یہ آپ نے کس لیے دریافت کیا۔

شمیمہ۔ اچھا اور آپ عبدالرؤف کو بھی جانتے ہیں جبکہ مکان کہ نیا بنا ہے اور اکثر آپ  
 ان کے کوٹھے پر بھی جایا کرتے ہیں۔

ظہیر الدین۔ آفاہ تو آپ مجھ کو جانتی ہیں۔ عبدالرؤف تو میرے بڑے دوست ہیں  
 مگر ان سب باتوں سے آپ کا منشا جو کچھ آپ کو کمناس ہے جلدی سے کیئے یہاں ہر راہ  
 کھڑے ہو کر اور خصوصاً اس وقت گفتگو کرنا میرے اور آپ کے لیے باعث شرم ہے دوسرے  
 یہ اگر کسی نے دیکھ لیا تو کیا خیال کرے گا میں آپ کو مطلق نہیں پہچانتا آپ یہ فرمائیے  
 کہ اس تشریف آوری کا مطلب کیا ہے۔

شمیمہ۔ آہ کیا بتاؤں کہ شرم آتی ہے یہاں بات کرنا مصلحت نہیں اس لیے براے  
 کرم اگر کسی تخلیس کی جگہ چلیے تو زیادہ انسب ہوگا۔

ظہیر الدین (کچھ سوچ کر) تخلیس۔ اچھا دیکھئے میں کچھ ترکیب کرتا ہوں تمھاری باتیں  
 تو بڑی پیاری معلوم ہوتی ہیں۔

یہ کہہ کر ظہیر اٹھتا ہے اور نہایت ہی خاموشی کے ساتھ دروازہ کھول کر شمیمہ  
 کو اندر بلا لیتا ہے۔ کچھ دیر بیٹھنے کے بعد

ظہیر الدین۔ دیکھئے زیادہ بیٹھنے کی ضرورت نہیں ہے یہ بتائیے کہ آپ کو کیا شے  
 درکار ہے اور آپ رہتی کہاں ہیں؟

شمیمہ۔ کیا جو کچھ مجھے درکار ہے آپ وہ میرے لیے مہیا کریں گے۔  
 ظہیر الدین۔ ہاں اگر میرے پاس سے تو عاف ہے۔



شمیمہ - جی ہاں آپ کے پاس ہے۔  
ظہیر الدین - کیا مجھے بتائیے تو۔  
شمیمہ - دل۔

ظہیر الدین - پیاری شمیمہ میں تو اپنا دل تمہیں دینے کو تیار ہوں مگر تم بھی اپنا دل دینے کے لیے راضی ہو۔

شمیمہ - میرے پاس دل کیاں وہ تو پہلے ہی آپ کے یزید خان کا شکار ہو گیا۔  
ظہیر الدین - میں نے تو آج سے قبل کبھی تمکو دیکھا بھی نہیں دل لینا کیسا۔  
شمیمہ - یاد کیجئے جب آپ عبدالرونق کے کوٹھے پر جاتے تھے تو میں اپنے مکان کے صحن سے آپ کو اکثر مشتاقی نگاہوں سے دیکھا کرتی تھی مگر آپ ایسے بے مروت ہیں کہ میری جانب سے رنج زیا کو پھیر لیا کرتے تھے میں نے تو اپنا دل بھی آپ کی نظر کر دیا۔  
ظہیر الدین - شمیمہ میں تمکو دیکھ کر اپنی نگاہوں کو ضرور پھیر لیا کرتا تھا مگر صرف اس خیال سے کہ تم ایک مسلمان کی لڑکی ہو کہ میں گنہگار نہ ہو جاؤں۔ مگر یہ تو بتاؤ کہ تم نے یہ کیسے جانا کہ میں ہی ظہیر الدین ہوں تم تو بڑی ہمت و معلوم ہوتی ہو۔  
شمیمہ - پیارے ظہیر جب سے تمکو دیکھا ہے تمھارا ہی دھیان بیخ و مسار ہوتا ہے تمھارا پیچھے میرا خواب و خورشید و برخواست اور تمام لطف جاتے رہے بس مہترانی سے آپ کا پتہ دریافت کیا اتفاق سے وہی آپ کے بھی ملازم سے اسطور سے بیٹھ آپ کا ہاتھ بڑی آسانی سے دریافت کر لیا اور اپنی جان پر کھیل کر یہاں تک آئی لیکن اب مجھے جانے دو۔

ظہیر - کیا تم جانتی ہو کیسے کمون کیونکر اجازت دون سے

میتے بھی ہوتا نہ میں جن کی سرکار جدا

مجھ سے کرتا ہے مجھے چرخ ستم کار جدا

مگر اچھا جاسکتا ہو مگر یہ تو بتاؤ کہ پھر کب آؤ گی۔

شمیمہ - ایک - دو - تین - ارے تو تین نہ گئے اب تین جاتی ہوں۔

ظہیر الدین - اچھا بیارہ رخصت میں کھینچ کر تمھارے دعوہ و ہر محبوب را جانیدیتا

ہوں غلام

جاو سدا رو میری جان تم پر خدا کی ہوا مان  
 بچھڑے ہوئے ملین گئے پھر قسمت نے گر لادیا  
 یہ شعر پڑھ کر ظہیر نے شمیمہ کا بوسہ لیا اور نہایت ہی حسرت و یاس سے اسکو  
 ۱۰۰ غایا اور جب تک وہ سامنے سے اوجھل نہ ہوتی اور ہر ہی دیکھتا رہا۔

## دوسرا باب

### یارانِ طریقت

ہم سخن تیشہ نے فرما دو شیرین سے کیا  
 جسطرح کا بھی کسی مین ہو کمال اچھا ہے

ظہیر الدین ایک اعلیٰ خاندان کا شریف و نیک خلیق۔ حکیم لڑکا تھا اس کا باپ وحید الدین  
 ایک بڑا تعلقدار تھا خدا نے بفضلہ تعالیٰ سب کچھ دے رکھا تھا دوسرے شہر کے اکثر  
 بڑے بڑے تھیکہ زیادہ تر اسی کے اہتمام سے انجام پذیر ہوتے تھے وحید الدین کی بیوی  
 بہت ہی نیک اور سیدھی سادھی ایک تعلقدار کی لڑکی تھی اور اپنے بیٹے ظہیر الدین کو بہت  
 چاہتی تھی اور سہی کی جدوجہد سے ظہیر الدین نے ایٹلس تک تعلیم بھی حاصل کر لی تھی  
 گوباب کی رائے انگریزی پڑھانے کی نہ تھی ظہیر الدین کے ایک اچھوٹی بہن بھی تھی  
 جو شائل کے نام سے مقبوض تھی ظہیر سے اسکو بڑی محبت تھی وحید الدین کا تعلق گوبو  
 دوسرے سے ضلع میں تھا لیکن تھیکہ وغیرہ کی وجہ سے اب شہر دہلی میں دائمی قیام  
 ہو گیا تھا ظہیر الدین نے اب پڑھنا چھوڑ دیا تھا لیکن اپنے کمرے میں ڈرائنگ۔ فٹری  
 کا شوق پور کیا کرتا تھا کیونکہ اس سے اسکو بڑی دلچسپی تھی شہر دہلی میں اس کے تمام دوست  
 بیگے تھے جو اس کے اچھے اخلاق کی وجہ سے اکثر ان کے کمرے میں بیٹھ کر خوش بیاں  
 کیا کرتے تھے ناظرین یہاں پر ہم اپنے ہیر و کے کمرے کا تھوڑا سا حال تحریر کرتے ہیں  
 ظہیر کو اپنا کمرہ آرتھ کر کے کامیاب شوق تھا بڑی بڑی دفتر بے تصاویر جس میں سے

اکثر خود اسکی صفت کے نمونے تھے کہ میں آویزان تھیں پڑے پڑے آئینہ جو نہایت حسن و خوبی سے بنائے گئے تھے زیب دیوار تھے برقی روشنی کی آنے بہت کوشش کی لیکن چونکہ بجلی ان کے مکان سے بہت دور تھی اسلئے اسکے گوانے سے کام نہ لیا مگر پھر بھی اسنے اپنے کمرے میں ایسے نفیس اور خوش نما جھاڑو فانوس لگا رکھے تھے جس سے کہ کمرے کی زینت و بالا ہوتی تھی چھت میں کاری گرون نے اسی خوبصورتی سے گلاربان بنائیں تھیں کہ دیکھنے سے چھستان کا منظر معلوم ہوتا تھا اس میں جھلکتے ہوئے قمقے نجوم ستفی فلک کی تمثیل دیتے تھے کمرے کے وسط میں ایک در در میز رکھی تھی جس پر ایک اعلیٰ درجہ کا نہایت عمدہ میز پوش پڑا ہوا تھا اور اس پر ایک گلدستہ رکھا تھا میز کے چار جانب بریلی کی خوبصورت کرسیاں جو اس نے خاص اہتمام سے بنوائی تھیں رکھی تھیں کمرے کے دروازوں پر خرس کی ٹٹیاں لگی ہوئی تھیں جنکی آب پاشی کے واسطے نوکر مہور تھے کمرہ کا فرش گوسنگ احمر اور سنگ موسا جیسے بیش قیمت پتھر وہ کا بنا تھا لیکن بصرہ کے قالینوں سے پوشیدہ تھا ایک اعلیٰ درجہ کی رسو نیا میڈ کلاک بھی لگی تھی غرض کہ کمرہ کی زیبائش و آرائش دیکھنے سے لطف رکھتی تھی۔

اب ہم ناظرین کو گذشتہ شب کی صبح کا حال بتاتے ہیں۔ ظہیر ابھی تک سو رہا ہے رات کی بیداری کی وجہ سے اسکی ناز بچر بھی قضا ہو گئی اور اب تک سو رہا ہے وہ دیکھنے انکے دوست عبدالرزاق صاحب تشریف لارہے ہیں۔

عبدالرزاق۔ ان آج ابھی تک حضور سو ہی رہے ہیں دیر ہوا کمرہ قبلہ اٹھو۔ ظہیر۔ (کنٹنا کر) مان یا ر خدا سوقت نیند خوب آ رہی تھی مگر تم نے جگا دیا۔ روف۔ آخر کیوں۔ روز تو بہت ہی سیر سے اٹھتے تھے آج معمول کے طواف کیا۔ ظہیر۔ کچھ نہیں پوہیں۔

روف۔ آفاہ شہید مردوں سے دھوکا معلوم دیتا ہے کہ کل جناب اکیلے ہی تھکھڑے تشریف لے گئے تھے۔

ظہیر۔ نہیں بخاری جان کی قسم عبدالروف بھی نہیں گیا اگر کیا بتاؤں گو قابل اظہار نہیں ہے لیکن مجھے یہ نہیں ہو سکا کہ تم سے اس بات کو پوشیدہ رکھوں۔ روف۔ کہو۔ کہو۔ کیونکہ تو۔۔۔

اشنائے گفتگو میں ظہیر کے دوست مسٹر شفیع داناور بھی آ جاتے ہیں۔

وہ لوگ۔ السلام علیکم۔

شفیع۔ ابھی تک چار پانچ نہیں چھوڑی۔

اناور۔ نہیں چار پانچ نے انھیں نہیں چھوڑا۔

روفت۔ دو ٹو کی طرف مخاطب ہو کر امان بیٹھو تو دیکھو یہاں کیا معاملہ ہے۔

وہ لوگ۔ معاملہ کیسا معاملہ۔

ظہیر۔ بیٹھ جاؤ بتاتے ہیں۔

اناور۔ اچھا تو کچھ جلدی سے بتاؤ۔

ظہیر۔ ٹھہر دجھائی ذرا منہ ہاتھ دھو لین تو ٹھیک سے اندر بیٹھ کر سنائیں۔

شفیع۔ اسے یار منبر تیجھے دھونا مگر پہلے بتاؤ۔

ظہیر۔ اگر ایسا ہی اسرار ہے تو بندہ بھی تیار ہے۔

لوا ابتدا سے ہم کہیں اب دوستان عشق

آخر غیب فراق کی قوا متنازعین

یہ شعر شعر پڑھنے کے بعد اس نے رات کا سارا قصہ حرف بحرف کہ سنایا اور پھر

پوچھا کہ دوستو بتاؤ آپ مجھے کیا کرنا چاہئے۔

عبدالرؤف۔ زبے نصیب جناب کرنا کیا جاوے مفت جلیبی بیان اڑائیے۔

ظہیر۔ اس کا کیا مطلب ہے۔

رؤف۔ مطلب۔ مطلب ہی ہے کہ جال بچھا ہے چڑیا پھنسا کئے اور مرے اڑائیے۔

ظہیر۔ اہا ہا تو کیا اس کی محبت کا یہی بدلہ ہے۔

رؤف۔ جناب ایسی محبت چوک میں بھی کیا کرتی ہیں اہا ہا آپ سمجھتے ہیں مجھ پر۔

عاشق ہے جناب روپیہ واے کو بھی باپ بناتے ہیں مگر غریب سے ابا کہلانے

کو بھی کوئی راضی نہیں ہوتا۔

ظہیر۔ تم کیسے کہتے ہو کہ وہ جھوٹا عشق جتاتی ہے کیا تم روپیہ واے نہیں ہو کیا تم حسین

و خوشرو جوان نہیں ہو۔ پھر اسنے مجھے تمہارے یہاں دیکھا۔ وہ تمہارے کیون نہ عاشق ہو گیا۔

آپ تو عاشق مزاج بھی ہیں۔ تو پھر اسکو یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی؟ کیا آپ سے

دل نہیں لگا سکتی تھی۔  
 شفیع۔ منظر ظہیر تم ٹھیک کہتے ہو ضرور اسکو آپ سے محبت ہے ورنہ عورت ہو کر اسے  
 آپ کے پاس اسنے کمرے اتنی دور آنے کی کیا ضرورت تھی۔  
 روف۔ یہ کوئی بات نہیں وہ ضرور ایک فاحشہ عورت ہوگی درنا ایک پاکباز و باعصمت  
 عورت کی ایسے آنے کی بھی ضرورت نہیں۔ یہ تو طوائفوں کا کام ہے۔  
 ظہیر۔ بس جناب بس۔ اب بیکار ایک معصوم عفت شعار لڑکی شان میں ایسے گندے  
 الفاظ نہ نکالے کیا میں نے دنیا نہیں دیکھی۔ میں بھی کھوٹا کھرا بچا ہوں اس کی  
 باتیں ہرگز ہرگز کسی خراب عورت کی سی نہ تھیں بلکہ اسکی تقریر سے شرم و لحاظ شرافت  
 و عظمت ٹپکتی تھی۔

انور۔ جناب آپ لوگ بیکار رکھتے ہیں اچھی دیکھتے کہ ابھی وہ پھر آتی ہے یا نہیں اسکی  
 جھوٹی دہچی محبت کا اندازہ بہت جلد ہو جائے گا یہ جھگڑا طویل بڑھانے سے کچھ  
 فائدہ نہیں۔ مگر دوست ظہیر اتنا تو یقین بھی کہو لگا کہ ہوئے قسمت و رسلوگ رور کی  
 ٹھوکرین کھانے پر بھی نا کامیاب رہتے ہیں۔ خدا نے تو تھیں مفت ہی ایک معشوق  
 دے دیا۔ بھلا خوبصورت بھی ہے یا نہیں ؟

ظہیر۔ جناب عاشقی معشوقی کیسی یہ تو جا سے فریب میں جائز ہی نہیں۔ ہاں اگر  
 ممکن ہو تو میں ضرور اسکو اپنی باقاعدہ بیوی بنا کر رکھوں گا اس کی صورت بہت ہی  
 بھولی و خوبصورت ہے میرے دلیں تو بس وہی بس گئی ہے یہ  
 روف۔ دسکر اوہ جناب کی نیت بھی اسی کی طرح ڈالنا ڈول ہو گئی کیا آپ کے خاندان  
 میں اس سے زیادہ خوبصورت لڑکی نہیں ہے جو آپ سمیمہ سی کم خاندان لڑکی سے  
 عقید کرنے کو تیار ہیں۔

شفیع۔ آج تم کیسی باتیں کر رہے ہو دل سے دل کو راہ ہوتی ہے خاندان اور غیر خاندان  
 کیا کیا وہ مسلمان نہیں ؟

روف۔ جناب مسلمان کیوں نہیں لیکن چاول سب ایک ہی میل کے زمین ہوتے  
 ذرا غور کیجئے رنگونی دال کے اور بالسی گوشت کے ساتھ کھاتے پاتے ہیں اس طرح  
 ہزاروں مثالیں ہیں مگر ہر کام دنیا میں میل جون سے اچھا ہونا نہ شرم کے کپڑے میں

تول کی گولٹ کس قدر بدناما معلوم ہوتی ہے۔  
 ظہیر۔ میان روٹ تم نے مثال تو دی لیکن میرے قیاس میں مذہب اسلام میں اسکی کوئی  
 قید نہیں۔ اگر ہے تو یہ کہ بس کلمہ پڑھتی خدارسول کو نانتی ہو۔  
 عبدالمرووف۔ واہ جناب واہ کیا کسی چار کی لڑکی مسلمان ہو کر کسی رئیس کی بیوی بننے  
 کے قابل ہو سکتی ہے۔

چہ نسبت خاک را بای لم پاک

کہان تم اور کہان شمیمہ۔

شفیع۔ اچھی میان روٹ اسلام میں تو رئیس و غریب میں کی کوئی تشخیص نہیں بادشاہ  
 لیکر غریب تک سب ایکساں خیال کیے جاتے ہیں پھر ایسی حالت میں اسکو بیوی  
 بناتے ہوئے کیا کلام ہو سکتا ہے لیکن بان اگر اپنا دل بھی اس سے راضی ہو۔ یوں تو  
 نہ مانتے کیا بات ہی اور ہے آج کل مسلمانوں نے زیادہ تر وہ باتیں جو اس کی ترقی و بہت  
 تھیں بانکل چھوڑ دی ہیں حضرت رسول اللہ سلم سب لوگوں کو برابر بیٹھ کر مشورہ کرتے  
 تھے آج کل کو بادشاہ تو ٹھوڑی ہی سی سلطنت پر سونے و جواہرات کے عالیشان خان  
 پر بیٹھتے ہیں۔

عبدالمرووف۔ مگر آج کل ایسا نہیں ہوتا ہے جو سب کرتے ہیں ہکو بھی وہی کرنا  
 چاہتے کیا ہمارے اکیلے نہ کرنے سے یہ خامی پھر پوری ہو سکتی ہے آپ نے سنا نہیں  
 کہ غلط اعام صحیح کہا جاتا ہے۔

شفیع۔ آپ ہی کے سے پست خیال آدمیوں نے آج مذہب اسلام کو اس قدر کمزور  
 بنا دیا کہ آپ جانتے ہیں کہ یہ ہمیشہ ویسی ہی ترقی کرتا رہتا جیسے کہ پہلے کی تھی  
 آپ لوگ اسکے اوپر بڑھنے کی کوشش نہیں کرتے بلکہ اسکے زینوں کی سیڑھیوں کو  
 خود ہی لٹا دیتے جاتے ہیں آہ افسوس جب آپ لوگوں کے یہ خیال ہیں کہ ایک نیچے خاندان  
 کی لڑکی کی شادی کسی اونچے خاندان کے لڑکے سے نہیں ہونا چاہتے تو بھلا وہ عورت  
 جو کہ کسی دوسرے مذہب کی ہو اور اسلام لے آئے ہرگز کسی طرح بھی آپ لوگوں کی بیوی  
 بننے کے قابل نہ ہوگی بھلا بناؤ تو کہ آخر وہ لوگ جو نئے اسلام قبول کرتے ہیں کس  
 صرف اس مذہب کو اچھا اور بالکل سیدھا سادھا پاک صاف دیکھو کہ بیوہ مسلمان

ہو جاتے ہیں مگر اگر اہل لوگوں کی بھی حالت ہے تو خدایٰ خیر کرے آپ خود ہی میری بات کا فیصلہ اپنے دل میں کیجئے کہ آیا میں صحیح کہتا ہوں یا نہیں پھر آپ کو معلوم ہے کہ حضرت رسول خدا کے کئے بیویان اور کس کس خاندان کی تھیں بیٹے بولتے کیا اہل لوگ ان سے زیادہ شرافت کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔

**رؤف**۔ آغاہ جناب نے تو پورا وعظ ہی بیان کر دیا۔

**شفیع**۔ نہیں میں وعظ نہیں کہتا ہوں نہ کوئی عالم یا مولوی ہوں مگر جو بات مجھے معلوم تھی کہ لڑائی کیا کموں رؤف میں روز سوچتا ہوں کہ مسلمانوں کو کیسے سمجھاؤں اس کا نوہن ایک اندھا ہنسنا جاتا ہے جیسے تم ہی مجھ سے ناراض ہو رہے ہو۔

**رؤف**۔ حضرت محمد صاحب کی برابری اور اہلوگ۔

**شفیع**۔ اچھی حضرت اسلام میں جو قانون بنائے گئے ہیں وہ تاقیہ مت گھٹ بڑھ نہیں سکتے اور پھر وہ بات کرنا جو ہمارے حضرت نے کی تھی سنت ہے پھر کیا وجہ ہو سکتی ہے جو ہم اس پر عمل نہ کریں۔

**عبدالرؤف**۔ اچھا جناب میں جیتا آپ ہمارے بس [اس پر لوگ ہنسنے لگے] انور خیر جناب اس جھگڑے کو کسی آئندہ وقت پر اٹھا رکھئے۔

ظہیر ٹھنڈی سانس بھر کر دو ستون میں بیٹھتا تھا کہ تم لوگ ضرور میرے قصہ غم میں شریک ہو کر میرا دل جوئی کر دے گے مگر تم لوگوں نے تو مباحثہ چھیڑ دیا خیر یہ بھی اچھی بات تھی۔

استے میں ودبہر ہو گئی اور نوکر کھانا لایا ظہیر میان کو بھوک تو نہ تھی مگر دوستوں کے حکاٹے سے تھوڑا بہت کھا لیا اس کے بعد میان رؤف نے کہا۔

**عبدالرؤف**۔ اچھا ہاں جناب خوب یاد آئی ہر سون میری بہن کی سال گرہ ہے۔ والدہ صاحبہ کو تو آپ لوگ جانتے ہیں کہ نایح درنگ سے باسکل خلافت رہتی ہیں اور میرا جی چاہتا ہے کہ کم سے کم ایک مجرا تو ضرور ہو بھلا آپ لوگوں کی کیا رائے ہے۔

**شفیع**۔ اچھی بات ہے ذرا طبیعت ہی پہلے گی۔

**رؤف**۔ مگر جناب میرے خیال میں نایح کے لیے اس کمرے سے بڑھ کر دوسری جگہ کیا ہوگی کیونکہ ظہیر صاحب کچھ خرچ تو نہیں ہے؟

ظہیر۔ واہ بھائی واہ شوق سے تمہارا ہی گھر ہے۔  
شفیع۔ اور کانے کئے لیے کون صاحبہ تشریف لاوین گی۔  
روفت۔ جنگلو آپ لوگ کہیں بلا لیا جاوے۔

انور۔ جناب یہ کام تو لڈن صاحب کے سپرد ہونا چاہئے اسنے اکثر طوائفوں سے  
راہ درس ہم بھی ہے مگر آج وہ ابھی تک آئے کیوں نہیں۔

روفت۔ ہاں دانشد علم کیا بات ہے جو آج ابھی تک تشریف نہیں لاتے ورنہ  
اسوقت تو ضرور آ جاتے تھے۔  
شفیع۔ کہیں کسی کام میں پھنس گئے ہوں گے۔

ابھی یہ باتیں ہو ہی رہیں تھیں کہ میان لڈن صاحب ایک اعلیٰ درجہ کا چست  
پانچامہ وجہاندانی کی اچکن پچب شو جو تی پہنے ہوئے چمڑ کرتے ہوئے تشریف لائے  
اور سلام علیکم کر کے ایک طرف بیٹھ گئے۔ جس کا کہ سب لوگوں نے جواب دیا لڈن  
صاحب نے کہتے ہی اپنی پیل ٹوٹی جیسی کہ اکثر لکھنؤ کے نواب لوگ پہنا کرتے  
ہیں اتار کر رکھتی جس سے کانکے باتون کی مانگ دکھائی پڑنے لگی۔  
روفت۔ واہ میان لڈن بڑی عمر ہے ابھی آپ کی یاد می ہو رہی تھی۔  
لڈن۔ میرے قسیب ایسے کہ آپ صاحبان یاد فرما دیں۔ خیریت تو ہے کوئی  
کام تو بندہ کے قابل نہیں ہے۔

ظہیر۔ جناب کو اسقدر رویہ کیوں ہوئی کہ ان تشریف لے گئے تھے۔  
لڈن۔ بس جناب یہ نہ پوچھئے آج کئی دن ہوئے کلکتہ سے ایک طوائف بیان  
آئی ہے تمام شہر میں اس کا چرچا ہے دانشد خوب گاتی ہے مجھے تو یقین ہی نہ تھا  
مگر آج معلوم ہوا کہ حقیقتاً تعریف اصلیت سے کم تھی اور کانے کے ساتھ ہی خزانے  
حسن و صورت بھی ایسی دی۔ نہ کہ ہزاروں فرلٹہ بہن بد۔

وہ صورت ہے کہ جسکو دیکھ کر جوڑی بھی شرمائیں  
وہ شمع ہے ہزاروں دیکھ کر پروانہ ہو جائیں

روفت۔ امان تھنے تو تعریف کے پل ہی باندھ دیئے۔  
لڈن۔ اچھا بھائی یوہیں سہی اگر دیکھو تو تم بھی میری طرح چوکری بھول جاؤ۔



ظہیر۔ بھلا اس کا نام کیا ہے؟  
 لہٹن۔ ارے یا زنام تو سب سے زیادہ غضب کا ہے مہ پارو۔  
 شفع۔ خوب۔

انور۔ نہ ہو تو مجھے مین اسی کو طلب کرو۔  
 لہٹن۔ ہاں دیکھا مزا آ جائیگا مزا۔ ول قابو سے نہ نکل جاتے تو ہمارا ذمہ۔  
 روف۔ تو جناب یہ (کچھ ٹوٹ دیکر) بیعانہ دیکر انھیں پرسوں شام کی دعوت  
 دیر کیجئے گا۔  
 لہٹن۔ بہتر ہے۔

اب سب لوگ تھوڑی دیر گفتگو کرنے کے بعد سلام کر کے اپنے اپنے مکان جانے  
 میں اور میان ظہیر اپنے کمرے میں بیٹھ کر کچھ سوچنے کے بعد ایک آرام کرسی پر لیٹ  
 جاتے ہیں اور دل ہی دل میں خیال کرتے ہیں آہ کیا پیاری صورت تھی اس کو ایک  
 ایک اداسی کے لئے ایک لحظہ بھر کو بھی فراموش نہیں ہوتی ہے، اسکی صورت بہتر  
 لگا ہون کے سامنے پھر رہی ہے اسکی دلفریب آواز میرے کانوں میں اب تک  
 گونج رہی ہے اس کا ظہیر الدین کہہ کر پوچھنا چاہے اب تک یاد ہے یا شہر بھلا پھر وہ  
 موہنی صورت دیکھنے کو بلیگی یا نہیں آہ گروہ مجھے محبت نہ بھی کر سکی تب بھی میں اپنا  
 دل اس سے لگاؤ لگا کر دل اب کہاں وہ تورات ہی کو ستمیہ لے گئی میں امیر ہوں وہ غریب  
 ویکس ہے کیا میں اسکو نہیں پاسکتا نہیں پاؤں لگا اور پاؤں لگا کر کیا میری دولت اسکے  
 دل کو بھی پھر سکتی ہے ہرگز نہیں کبھی نہیں دل کے جذبات کا انحصار دولت پر نہیں  
 ہوا کرتا بلکہ وہ صرف محبت ہی ہے جو دل کو پھر دیتی ہے، مگر عورت کا کیا اعتبار  
 پھر ہے تو عورت ہے اسے سورج تو جلدی سے اپنی مسافت طے کرتا کہ شام ہو  
 اور وہ پیری رو نظر آتے۔ کل تو میں اس سے شرم اور رعب حسن کی وجہ سے ٹھیک  
 بات بھی نہ کر سکا

وصل کا کل اس بری سے ہو کے سلمان رہ گیا  
 شرم ہو تیرا برا دونوں کا ارمان رہ گیا  
 آہ ظہیر بہتر ہے دکھو کیا ہو گیا تو تو اپنے کو نہایت پاکباز شریف اور نیک خیال

# تیسرا باب

قریم شناسائی

اسے ذوق کسی بھدم ویرینہ کا ملتا

بہتر ہے ملاقات میما و حضرت سے

بہتر ہے ملاقات یہی وجہ تھی کہ  
شیمم کی سگی ماں مچھلی تھی اسکے بعد باپ نے ایک بیوہ عورت سے نکاح بڑھالیا تھا جس کے لڑکا بھی تھا اس کا  
نام جتنے تھا شہر دہلی کے غنڈوں۔ بچوں اور ادبашون میں اس کا شمار کیا جاتا تھا  
ریڑھی بازی اور شراب نوشی کے علاوہ اسکے لیے دوسرا کام ہی نہ تھا مان کا لاڈلا بیٹا  
تھا اس لیے باپ کی تنخواہ کا بڑا حصہ وہاں خین تغلون میں اٹھا دیتا تھا بے کی ماں نے  
بری کو کشش کی کہ اتیارالدین زیورات کا وہ بکس جو شیمم کے پاس تھا کسی طرح  
اس سے لے لے کر اتیارالدین کے کسی طرح راضی نہ ہوئے پر خاموش ہو کر پیچھ  
رہی لیکن اس کا اسکو بہت بڑا افسوس تھا۔ ایک دن میان عبدالرؤف صاحب فتن پر  
آ رہے تھے کہ بننے سے دور سے سلام کیا عبدالرؤف نے فوراً فتن روک لی۔ مگر سمجھ میں  
نہیں آتا کہ مضر عبدالرؤف سے کیا ظہیر و شفیع ایسے دوستوں کے ساتھ ہی بے کے  
ایسے چوتھے بھی ملاقات ہے۔ اچھا سنئے تو۔

روشنی۔ ذرا جناب یہاں خوشترین لاتے آپ تو صورت بھی نہیں دکھاتے۔  
 جیتے۔ جناب مجھ سے غریبوں کو کون پوچھتا ہے اگر آپ بندے کو یاد کرتے تو ضرور

حاضر ہوتا۔ مگر یہ بتائے کہ سب خیریت تو ہے؟  
 رُوف۔ ہاں ہاں سب خیریت ہے مگر مجھے تم سے ایک اہم معاملہ میں گفتگو کرنا ہے  
 آؤ بیٹھ جاؤ مگر چلیں تو وہاں ٹھیک سے بات چیت ہوگی۔

۲۔ دونوں گاڑی میں بیٹھ کر گھر پہنچے۔  
 عبدالرُوف صاحب بھی بڑے رئیس آدمی تھے گوا بھی شادی نہ ہوئی تھی مگر  
 باپ نے جہان فانی سے رحلت کی تھی ہاں اور بیٹے دونوں کو عرصہ تک اسکے مرنے کا  
 غم رہا بعد کوحسب معمول بھول گیا۔ اب ساری جائیداد کا مالک عبدالرُوف ہی تھا اس لیے  
 ظہیر الدین سے بڑی دوستی تھی اور زیادہ تر اسی کے یہاں رہا کرتا تھا گو عبدالرُوف  
 کی کوٹھی ایک بڑے پیمانہ کی انگریزی فیشنر، حال کے مطابق بنی تھی مگر وہ بالکل سوئی  
 نظر آتی تھی نہ تو اسکے کمرے میں کچھ سامان آرائش تھا نہ اسے اس کا شوق ہی تھا۔  
 صرف تھوڑی سی کرسیاں آنے جانے والوں کے لیے بڑی تھیں اسوقت بھی رُوف  
 وہنے انھیں کرسیوں پر بیٹھے باتیں کر رہے ہیں۔

عبدالرُوف۔ کوچی اسجلی تھادی بہن شمیمہ کہاں ہیں اور کیسی ہیں۔

بہن۔ میرے چچا کے یہاں اسے محلے میں رہتی ہیں۔

رُوف۔ کیوں تمھارے ساتھ میں کیوں نہیں رہتیں کیا تمھارے باب کو گوارا

نہیں ہوتا؟

بہن۔ ہاں کچھ ایسا ہی قصہ ہے۔

رُوف۔ اس کی تو اب شادی بھی ہو گئی ہوگی کیونکہ اب تو وہ ۱۸ یا ۱۹ سال کی

ہوگی۔

بہن۔ نہیں ابھی تک تو نہیں ہوتی مگر اب ہو نیوالی ہے۔

رُوف۔ کس کے ساتھ۔

بہن۔ اسی خاکسار کے ساتھ۔

رُوف۔ کیا تم اس کے ساتھ شادی کر دے دو تو بڑی فاحشہ عورت ہے۔

مصطفیٰ۔ کیا جناب نے صاحبہ بھی آؤ وہ گھر دیکھ لیں۔

بہن۔ یہ آپ کو کیونکر معلوم ہوا۔

رُوف۔ اس سے آپ کو کیا مطلب جو بات تھی میں نے بتادی۔  
 بنے۔ ارے مجھے تو شادی کی کچھ ضرورت ہی نہیں ہے مگر والدین کی ذبردستی  
 سے کئے لیتا ہوں میرے پاس ایسی تمام بیویاں ہیں مگر یہ تو بتائیے کہ یہ بی شیمہ  
 صاحبہ کیسی ہیں۔ کیا کسی سے پھنس ہیں ہا ارے میرے تو بیاہ کئے بھی تھوڑے ہی  
 دن میں۔

رُوف۔ میں آپ کو بتا نہیں سکتا لیکن دکھا سکتا ہوں۔  
 بنے۔ واہ یا رواہ یہ تو خوب کئی طعنی اور دو دو۔ مگر پھر کب  
 رُوف۔ آج ہی رات کو تم بیان آنا اور سارا تماشا اپنی نظر سے دیکھ لینا۔  
 اسکے بعد میان بنے کچھ سوچکر ہنستے ہوئے اپنے گھر کی طرف روانہ ہوئے  
 اور رُوف صاحب ظہیر الدین کے مکان پر پہنچے ظہیر الدین اپنے خیالات کی محویت  
 میں عبد الرُوف کو دیکھ بھی نہ سکا۔

رُوف۔ کیوں جناب بھلا اب شیمہ کے آگے مجھے کیوں پوچھئے گا۔  
 ظہیر (چونکر) بیان آؤ میں رُوف بیٹھو۔  
 رُوف۔ کیا خیالات دہین گزر رہے ہیں۔  
 ظہیر۔ یہ نہ پوچھو اللہ عالم و دانا ہے جو دل کی کیفیت ہے جس بادہ جانتا ہے  
 یا نہیں ہے

فراق میں اسی پردہ نشین کے آئینہ میں  
 گزر رہی ہے جو دل پر بتا نہیں سکتے

رُوف۔ جناب من تھوڑے ہی دنوں میں آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ  
 آپ سے سچی محبت کرتی ہے یا جھوٹی۔

ظہیر۔ کیونکر۔  
 رُوف۔ ہو جانے پر بتاؤ نکا۔ ہاں آج تو شاید بی صاحبہ تشریف لائیں گی  
 ذرا ہاتھ رکھے گا۔  
 ظہیر۔ اچی نید ہی کس کو آئیگی  
 رُوف۔ وہ قندلمن جو آپ نے کلکتہ میں خرید کی تھیں کل ان کو بھی ذرا کروں

گلوادیکے گا۔

ظہیر۔ ہاں ضرور ضرور۔ مگر آفسوس یہ ہے کہ اس روز مجھے والد صاحب کے ایک کام کے لیے جانا پڑے گا۔ جسکی وجہ میں جیسے میں شرکت نہ کر سکو تھا۔  
 روف۔ اس میں آپ کی عدم موجودگی بے لطفی کا باعث ہوگی مگر مجبوری کی وجہ سے کیا ہو سکتا ہے۔  
 ظہیر نے نوکروں کو قند بلبن لگائے کا حکم دیا اور خود پارک کی یہ کر کے جی بھلانے کے لیے چلا گیا۔



## چوتھا باب خونفک سازش

باغبان نے آگ دی جسوقت گلشن میں تیر  
 جن پر تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے  
 رات کے بارہ بج چکے ہیں۔ شب کی تاریکی دن کی روشنی پر کافی طرح سے غائب  
 آچکی ہے۔ لالہ علیہین کچھ یوں ہی سیٹھا رہی ہیں۔ سامنے سے دو اشخاص آتے  
 ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن یہ تو مسٹر روف صاحب ہیں۔ اہا ہا وہ دیکھئے  
 دوسرے میان بنے ہیں۔ اب سمجھ میں آیا یہ روف صاحب شاید دن کا وعدہ پورا  
 کرتے ہیں یا نہیں وہ دیکھئے مسٹر عبدالرؤف صاحب کچھ کہہ رہے ہیں۔  
 روف۔ آؤ اس ٹوٹے ہوئے مکان میں چھپ کر بیٹھیں۔ اب اسکے آنے کا وقت  
 قریب ہے۔

(دونوں وہیں چھپ کر کھڑے ہوجاتے ہیں اور ایک دیکے کے قریب  
 شیمینہ گھر سے ایک کثیف چادر اوڑھے نکلی اور چاروں طرف دیکھتی بھالتی ہوئی  
 مغرب کی جانب چلی گئی۔)

بنے۔ آئیے دیکھو یہی سیمہ ہے مگر یہ کہاں جا رہی ہے۔  
 رُوف۔ جناب یہ وحید الدین کے لڑکے ظہیر الدین کے پاس جا رہی ہے۔  
 بنے۔ تو وہ تو آپ کے بڑے گھرے دوست ہیں۔

رُوف۔ ہاں وہ تو دوست سمجھتے ہیں۔ مگر جناب میرے ایسے دوست دوست  
 ہیں۔ ہاں کیوں جی بسلامت نے بھی سنا ہے کہ کوئی رنڈی چوک میں ہلچل پارہ نام  
 کی کلکتہ سے آئی ہوئی ہے اور بہت اچھا گاتی ہے۔

بنے۔ ہاں جناب ہے تو ضرور مگر میں نے اس کا گانا نہیں سنا۔  
 رُوف۔ جناب پرسوں تشریف لائے اور گانا سنئے۔ اس کا مجرا ہو گا۔

بنے۔ کہاں ہو گا۔

رُوف۔ ظہیر الدین کے بیٹھکے میں۔ آپ ضرور تشریف لائے گا۔ کوئی جمع نہیں ہے  
 بنے۔ بہت بہتر ہے۔ میں آؤں گا مگر اس سیمہ سے اس کی حرکات کا بدلہ لینا  
 چاہیے۔

رُوف۔ ضرور درمیں ہر طرح تمھاری امداد کے لیے طیار ہوں مگر باز بہ بڑی  
 خوبصورت۔

## پانچواں باب

### دوستوں کا مشورہ

یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست نامح

کوئی چارہ سوزہ ہوتا کوئی غمگسار ہوتا

اب ہم ناظرین کو پھر ظہیر الدین کے کمرہ کی طرف راغب کرتے ہیں جن کے

آٹھ بچے ہوں گے میان شفیع شرف اور چنے سب جمع ہیں اور ادا ہیلو دہر

کی باتیں ہو رہی تھیں۔

ظہیر الدین۔ مان یا راج تو بچہ شیمہ آئی تھی۔  
 روف۔ یا رکیا کیا باتیں ہوئیں۔ خدا بتاؤ۔  
 ظہیر۔ ضرور بتاؤں گا کیونکہ اس کی باتیں مجھ کو بڑی دلچسپ اور بھولی معلوم  
 ہوتی ہیں۔ شاید تم کو بھی سیکر بڑا لطف حاصل ہو گا سنئے تین قصہ سنلتا ہوں  
 دیکھو۔ چلتے وہ آئی اور کہنے لگی کیا جناب جاگ رہے ہیں۔

مین۔ ہاں جاگ رہا ہوں۔ بھلا اب نیند کہاں سے  
 رات کا سونا بھی اب تو مجھ کو مشکل ہو گیا  
 ہاے رے دل کس بیت کا فریبہ مائل ہو گیا  
 خواہ۔ کیوں جناب یہ بھلا آپ کو سونے کو کس نے منع کیا ہے۔

مین۔ پیاری تمھارے حسن اور ادائوں نے۔  
 وہ۔ بس جناب بس لے رہے دیکھئے۔ کہ ہے کو مجھ کو بناتے ہیں۔ کچھ خوبصورت  
 ہوتی تو نہ معلوم آپ کیا کرتے۔  
 مین۔ پیاری میرے کسی قدر خود میرا ہی نہیں کرتا ہے بلکہ بڑے بڑے بادشاہ  
 اور صاحب خدو کو کرتے ہیں۔

وہ۔ یہ آپ کا حسن من ہے کہ آپ مجھ کو ایسا خیال کرتے ہیں۔ ہاں سچ ہوا انسان  
 جس قسم کا شیشہ اپنی آنکھوں پر لگاتا ہے اس کو ویسا ہی نظر پڑتا ہے  
 چونکہ آپ محبت کرتے ہیں اسلئے مجھ کو خوبصورت خیال کرتے ہیں۔ ورنہ مین  
 ہوں تو کسی قابل ہی نہیں۔

مین۔ لیجئے صاحب وہ میرا حسن زن تھا تو یہ آپ کی انکساری ہے۔ چلو ہم تم  
 دونوں برابر ہو گئے۔ مگر ذرا یہ تو بتاؤ کہ تم ہلکے سچے دل سے چاہتے ہو یا یہ  
 کہ دودن کی محبت ہے۔

وہ۔ اس بات کو خدا ہی خوب جانتا ہے۔ اور ہاں تم بھی جان سکتے ہو۔ کہ سچی ہے  
 یا جھوٹی ہے

مین۔ وہ کس طرح۔ جو حقیقت ہو وہ ہو جاتی ہو ظاہر خود بخود  
 باغبان سے گل نہیں کتا کہ مین زردار ہم

وہ۔ وہ اس طرح کہ کیا آپ میرے غریب خانہ پر مجھ سے خوشامد کرنے گئے تھے  
 دیکھئے پیاسا ہی کنوین کے پاس جاتا ہے۔  
 مین۔ اچھا بھئی تم جیتین مین ہارا۔ مگر ذرا یہ تو بتاؤ کہ تم چلی کیسے آتی ہو۔ اگر  
 کسی نے دیکھ لیا تو بس غضب ہی ہو گیا۔

وہ۔ اوں۔ اب تو جو کچھ ہوتا ہے وہ ہو گا۔

ہرچہ بادا باد من کشتی در آب انداختند

مین۔ ہاں یہ تو میں بھی جانتا ہوں۔ مگر یہ یاد رکھو جس طرح دوپٹے کی گاڑی ایک  
 پٹے پر نہیں چل سکتی اسی طرح محبت کی گاڑی بھی تدبیر اور تقدیر دونوں کے  
 بغیر نہیں چل سکتی۔  
 وہ۔ تو پھر تدبیر ہی کیجئے اور میری شادی کی درخواست میرے والد نے کسی  
 طرح کیجئے۔

مین۔ دیکھو بڑا نامانار تمہارے باپ تو راضی ہو جائینگے مگر میرے باپ تمہاری  
 ناداری کے سبب منظور نہ کریں گے۔

وہ۔ تو کیا نادار ہونا گناہ ہے۔ خیر یہ تو جانے دو۔ کیا تمہاری بھی مرضی نہیں ہے  
 مین۔ ارے میری مرضی کیون نہیں ہے کہ بڑا ہزار سیدھا چلنے کی کوشش کرتا  
 ہے مگر جب اس کا گڑ بھی تو چلنے دے مین خلاف مرضی والد کچھ نہیں کر سکتا  
 ہوں اچھا دیکھو مین شفیع سے کہہ کر والدہ سے کہلاؤں گا اور وہ والد کو اچھی  
 طریقہ سے راضی کر لیں گین۔

وہ۔ اور اگر سپر بھی کچھ نہ ہو تو

مین۔ تو پھر مین اپنی تمام تدبیر اور قوتیں صرف کر دوں گا۔ مگر تم کو ضرور ہٹال  
 کر دوں گا۔ اور اگر کچھ بھی لکھو نا کامیابی اور سیاہ بخشی کی صورت دیکھنا پڑے  
 تو یہ جان تمہرے قربان کر دوں گا۔

جب تک کہ دم مین مہونہ چھوڑے گا مگر مین

آئندہ جو مشیت پروردگار ہو

وہ۔ دیکھو پیار کیسی دل گزار باتیں نہ کرو۔ میرا دل نہ دکھاؤ۔ مین سمجھ گئی کہ تم



دل سے محبت کرتے ہو کہیں ٹھیک ہے نا  
 مین۔ پیاری شمیم! سکو تو تم خود ہی خوب خیال کر سکتی ہو۔ اور کچھ دن بعد انشاء  
 دکھا دوں گا اور تم بھی دیکھ لو گی کہ یہ کتنی محبت تھی یا جھوٹی۔ مگر کیا کروں باب  
 واداکہی مرضی ہے مجبور ہوں۔

وہ۔ دیکھئے اگر ایسا ہے تو یہ خیال کتنا اچھا ہے کہ شمیم! آپ کے سوا کسی کی ضرورت بھی  
 دیکھنا گوارا نہ کرے گی حالانکہ میری نسبت لگی ہوئی ہے اور تھوڑی ہی دنوں میں  
 عقد ہونے والا ہے مگر میں تم کو اعتبار دلائی ہوں کہ میں دوسرے سے شادی  
 کرنے سے زہر کا گھالینا ہرگز چھوون گی۔

مین۔ نہیں ہمیں خدا کے واسطے کہیں ایسا نہ کرنا اور نہ میں تو جیتے جی ہی سزاؤں کا  
 وہ۔ مگر آخر پھر میں کیا کروں گی۔

مین۔ صبر کرو نا دنیا میں صبر سے بڑھ کر کوئی شے نہیں ہے صبر تلخ است و حلے  
 کن بر شیر جن وارد۔

وہ۔ ہاں مین صبر تو ضرور کروں گی مگر یہ سمجھ لینا کہ شادی ہو جانے کے بعد  
 صبر کا کچھ نتیجہ نہ نکلے گا۔ تم جو کہ سنش کرنا چاہتی ہو کہ ناؤ نہ بنے سو وہ ہو گی  
 اچھا اب میں جاتی ہوں ایسا نہ ہو کہ کسی کی آنکھ کھل جائے اور پھر سبب مناسہ  
 گڑ بڑ ہو جائے۔ حالانکہ میں نے شام ہی کو دھتورے کے بیج سب کو پان میں  
 کھلا دیئے تھے تاکہ سوتے ہی یہ پیش ہو جائیں

مین۔ تم بڑی جالاک ہو مگر پیاری شمیم یہ کام بڑا خطرناک ہے ایسا نہ ہو کہ کسی کو کھل  
 جائے اور میری فتحاری دونوں کی عزت جائے ہاؤ اب جلدی کر دو ۲ پانچ گئے ہیں  
 مگر دیکھو برسوں یہاں نہ آنا کیونکہ میں ایک ضرور جہ سے باہر جاؤں گا اور یہاں  
 جلسہ ہو گا۔

وہ۔ تو پھر کب تک پلٹ کر آئے گا۔

مین۔ دوسرے ہی دن آ جاؤں گا۔ مگر کل تو یہاں میں رہوں گا آنا ضرور۔

وہ۔ اچھا اگر موقع ملا تو۔

اس کے بعد وہ اٹھی مین نے اسے لپٹا کر لے لی ایک پیارے کیسے اور پھر سترائی پہنی

اپنے گھر کی جانب چلی گئی مین بھی اسکے گھر کے قریب تک پہنچا آیا  
 رُوف - خوب جناب اسنے اپنی محبت کا رنگ تو خوب بھجایا۔  
 شفیع - کیوں میان انور تم خاموش کیوں ہو۔

انور - کیا بتاؤں جناب آٹھ کل عورتوں کے آوارہ ہونے کا باعث ہم ہی لوگ  
 ہو رہے ہیں۔

شفیع - یہ کیونکر۔

انور - اچھی میان کیا ۱۸-۱۸ برس کی لڑکیوں کو کنواری بٹھال رکھنا کوئی اچھی بات  
 ہے جوانی میں سبھی اندھے ہوتے ہیں چونکہ کبھی وہ کم ہے آخر میں بے عزت ہونیکے  
 بعد سمجھتا ہے مانا کہ شمیمہ ظہیر پر عاشق و شیدا ہی سہی مگر پھر بھی ایک مسلمان لڑکی  
 کا یوں گھر سے نکالنا کیا معقولی بات ہے۔

شفیع - بیشک یہ بات تو ضرور ٹھیک ہے۔ لیکن کیا شادی باغ ہوتے ہی کر دینا چاہئے۔  
 ظہیر - خیر جناب یہ تو ہے مگر اب اتنے سے شادی کرنے کی بھی کوئی فریب ہے  
 یا نہیں۔

شفیع - میں آپ کے والد سے کوننگا نہ ماننا ضرور مشکل ہے۔

ظہیر - میرے خیال میں تو والد کے بجائے والدہ سے کہنا زیادہ انسب۔  
 شفیع - اچھا موقع پا کر انھیں سے کوننگا۔

ظہیر - مگر جناب عجلت کی ضرورت ہے ورنہ بعد میں کف افسوس طے پڑیں گے۔  
 رُوف - اچھا جناب مجھے نواب دیر ہو چکی ہے میں جاتا ہوں مگر کل کے جلسہ کا خیال  
 رہنے بان ورا میان ظہیر صاحب اپنی یہ انگلی بھی تو مجھے دیدیجئے۔ اسی غور کی بجائے  
 بھی انگلی بھی بنوانا ہے اس کی بناوٹ بڑی خوبصورت ہے۔

ظہیر - نیچے شوق سے بلکہ سی نہ لے لیجئے۔  
 رُوف - سب جناب کی مہربانی ہے۔

اسکے بعد رُوف انگلی لیکر اٹھا اور سب لوگ بھی اسی کے ساتھ اپنے اپنے  
 گھروں کو چلے گئے اور میان ظہیر اکیلے رہ گئے شفیع و رُوف ساتھ ہی ساتھ باتیں  
 کہتے گئے کیونکہ دونوں کا گھر پاس ہی پاس تھا۔

ظہیر کو اسکی مان پے اندر بلایا اور کہا کہ بیٹا کل سے مجھے اپنی صورت ہی دکھاتی  
 دن بھر کمرے ہی میں بیٹھے رہے اور یہ تمھاری صورت آج کیسی ہو رہی ہے کیا  
 خدا نخواستہ کچھ طبیعت ناساز ہے کل رات کو تھنے کھانا بھی نہیں کھایا تمھارا اور ذرا  
 ہمارے ساتھ کھا لو۔

ظہیر۔ امان اسوقت کچھ بھوک نہیں ہے ذرا کل سے پیٹ میں کچھ درد کی شکایت ہو۔  
 مان۔ تو تھنے اس کا علاج کیون نہ کیا جاوے کلیم کو بلا کر دکھا دو۔

ظہیر۔ ارے امان ایسا کچھ درد نہیں ہے جو کلیم کو دکھایا جاوے محض معمولی شکایت ہو۔  
 مان۔ بیٹا مرض کو کم نہ سمجھنا۔ مگر آؤ ذرا سے کھا لو۔

اسکے بعد مان کے اسرار سے ظہیر سے تھوڑا بہت کھایا اور اپنے کمرے میں  
 پھر چلا گیا۔



## پچھتا باب

### چوری دغا بازی و انکشاف

بڑے نادان ہیں جو اپنوں سے کچھ امید رکھتے ہیں  
 لب خشک صدف کس دن ہونے تر آب گوہر سے

دنیا مطلب کا ساتھی ہے دوست بہت ہو جاتے ہیں مگر زیادہ بے وفائی  
 کرنے والے نہ کہ وفادار مسٹر رؤف صاحب نے تنہیمہ کی تعریف سن سن کر گو ظہیر کا  
 بڑا دوست تھا مگر اس کا وصال حاصل کرنے کے لیے اس سے چلے تیار ہو گیا  
 مانا کہ ظہیر بھی اس کی صورت کا دلچاہہ ہو رہا تھا مگر وہ جو کچھ بھی کرنا چاہتا تھا  
 کی یا بندہ کیساتھ دویم اسے تنہیمہ سے ایک سچی محبت تھی یہ گنتی تھی۔ رؤف  
 نے شوق چاکہ کوئی ترکیب ایسی کرنا چاہی کہ تنہیمہ بل جائے مگر اس کی سمجھ میں نہ آیا  
 میان رؤف صاحب رؤف کے بڑے مشیر تھے انھوں نے صلاح دی کہ تم اس کو رسا

میں چھک کر کھڑے ہو وہ شہزادہ نے اپنے ہاتھ میں لے کر لیا اور اس کو ڈھانچا اور  
آخر میں غور سے دیکھا کہ اس کے بعد آپ کو کبھی ملے گا کہ میں ظہیر  
صاحب کا فرستادہ بیان آیا ہوں وہ آج میرے بیان میں یہ ترکیب روٹ کے  
بھی دل میں جم گئی اور اسے یقین ہو گیا کہ منہ پر میں اپنے ارادے میں کامیاب ہو گا  
روٹ نے لڑن کو کچھ ادا کر دیا اور اسی رات کو اپنے گھر کے عوض دیا اور رات کو  
بارہ ہی بجے سے جا کر کھڑے کھڑے ٹھٹھے لگا کچھ زیادہ وقفہ نہ گزرنے پایا تھا کہ شمیمہ  
انے مکان سے نکلتی کچھ کی طرف چلی۔

روٹ۔ (لوٹ کر) ارے کون ہے۔

شمیمہ۔ آپ کو پوچھنے کا کیا حق حاصل ہے۔

روٹ۔ میں ایک پولیس افسر ہوں اس واسطے دریافت کرتا ہوں۔  
شمیمہ۔ میں کوئی چور نہیں ہوں جو آپ کو اپنا نام بتاؤں کیا آپ سپاہی ہو کر  
کسٹھالی عزت لیتے ہو یا ہٹ جاتے دیکھو۔

یہ کہتے کہتے شمیمہ کے ڈوبے کا آنچل سینہ پر ہٹ گیا اور اس کا منہ بھی  
کھل گیا روٹ چہرہ دیکھتے ہی بے خود ہو گیا اور بولا۔

روٹ۔ ارے تو کیا تم تھا ہونٹین میں تو مذاق کر رہا تھا کیا تم ظہیر الدین  
کی بہن تھی؟

شمیمہ۔ ظہیر الدین کے نام پر کچھ سوچئے گی کیوں ان باتوں سے آپ کا مطلب  
پروٹ کیا گیا شمیمہ تھا ہی نام ہے۔

شمیمہ۔ (فحش اپنا نام سن کر) ہے مگر تم اپنا مطلب کیوں نہیں بتاتے۔  
روٹ۔ نہ بتاتا ہوں مگر کیا تم مجھ کو بالکل یقین جانتی ہو میں تو ظہیر کا بڑا دوست

ہوں۔

شمیمہ۔ ہو گئے تو یوں کیا کروں۔

روٹ۔ بڑے نہیں آج ظہیر بیان اپنے باپ سے لڑ کر ہمارے گھر چلے آئے  
ہیں آئے ہیں اور وہیں بیٹھ میں نے شاید آج ہی آئے ان کا وعدہ کیا تھا  
شمیمہ۔ تو پھر وہ خود کیوں نہ آئے۔

رؤف۔ وہ آ رہے تھے مگر میں نے کہا کہ آج آپ میرے مہمان ہیں آپ تکلیف نہ کیجئے  
میں خود چلا جاؤں گا یہ دیکھئے انھوں نے اپنی انگوٹھی دی تھی کہ دکھا دینا۔  
شیممہ دیکھو۔

شیممہ نے انگوٹھی غور سے دیکھی ایک دن وہ ظہیر کے ہاتھ میں دیکھ چکی  
تھی یہ خیال کر کے اس نے کہا کہ اچھا چلئے

اس کے بعد دونوں گھر پہنچے۔ اس کے آگے کا حال تو ہم آگے بیان کریں گے  
مگر ذرا دیکھتے سامنے سے کون چار آدمی آ رہے ہیں ارے وہ تو بالکل قریب ہی  
آگئے۔ ہیں یہ رک کیوں گئے کیا نصیر خان کے یہاں آئے ہیں۔ ارے یہ تو سیان  
بنے ہیں مگر یہ اتنی رات گئے کیا کام ہے کیا شیممہ کو پکڑنے آئے ہیں خیر دیکھو  
معلوم ہی ہو جائے گا۔ سنتے۔

بنے۔ تم لوگ کوئی نیا برکھڑے دیکھتے رہو شاید کوئی آئے جائے۔ میں انشاء اللہ کبھی  
سب صاف کیے لاتا ہوں کنوڑے بھی کھیلے ہیں۔

یہ کہہ کر بنے مکان میں داخل ہوئے اندر کا حال یہیں نہیں معلوم کیا ہوتا رہا  
مگر ایک ۱۵ ہی منٹ کے بعد لینا دوڑنا کا صلہ ہوا اور بنے ایک باس لیے ہوئے  
بے کاشا مکان سے نکلا اور یورپ کی جانب بھاگا اس کے تینوں ساتھی غل سنتے ہی  
بلے پڑ گئے تھے قصداً سے کار پولیس کا سپا ہی جی اڈا ہر سے پرا دیتا آٹکلا آواز سنتے  
ہی وہ بھی گل کی طرف دھاوا بڑا دھرم نہ شہر خان وغیرہ نے اس کا چھپا کر لیا سیان  
بنے وہیں تین گھر گئے جب وہ کہتے ہیں نہ بیٹھا تھا نصیرہ وقت تو پید کر دیا مگر ایک چاقو  
کھینچ کر مارا جو بچا رہے نصیر خان کے بڑے بھائی اور وہ بیہوش ہو کر گر پڑے اور  
پولیس و اسے اور نصیر خان کے بھائیوں نے اسے کہہ کر قتل کر لیا اس کے بعد سب  
نصیر خان کی طرف متوجہ ہوئے۔ وہ ان کے ہوش نہ لائے کی کوشش کرنے  
لگے مگر چونکہ زخم زیادہ گہرا تھا اس لیے فوراً انھیں ہسپتال لے گئے  
اور بنے فوراً یہ جو لاف کو توڑ دیا گیا۔ وہ ان کے ہوش نہ لائے کی کوشش کرنے  
لگے مگر چونکہ زخم زیادہ گہرا تھا اس لیے فوراً انھیں ہسپتال لے گئے  
اور بنے فوراً یہ جو لاف کو توڑ دیا گیا۔ وہ ان کے ہوش نہ لائے کی کوشش کرنے  
لگے مگر چونکہ زخم زیادہ گہرا تھا اس لیے فوراً انھیں ہسپتال لے گئے

پولیس نے انھیں حوالات میں بند کر دیا اور مقدمے کو عدالت پر اٹھا رکھا۔ ادھر نصیر خان کے گھر میں ایک شور عام ہوا تھا محلے کے اکثر لوگ جاگ جاگ کر جمع ہو گئے تھے کہ معاملہ کیا ہے۔ اتفاق سے نصیر خان کی بیوی کی نظر شمیمہ کی پار پائی پر پڑی دیکھا تو حال دور بھی حیرت ہوئی۔ پافانہ وغیرہ میں تلاش کیا مگر وہ وہاں کہاں تھی آخر کار سب لوگ چپ ہو کر بیٹھ رہے ادھر میان روٹ شمیمہ کو اپنے کمرے میں لے گئے اور کہا کہ کرسی پر بیٹھ جاؤ۔

شمیمہ - (کرسی پر بیٹھ کر) بلاؤ انھیں وہ کہاں ہیں۔  
روٹ - پیاری شمیمہ بس مجھی کو ظہیر جانو میں نے صرف تلو ہیان تک لانے کے لیے یہ بہانہ بناتھا۔ تمہیں نہیں معلوم کہ میں ایک عرصہ سے تمہارا عاشق ہوں مگر مجبور تھا جب سے میں نے میان ظہیر سے تمہارا قصہ سنا بس جو حالت میری دلی ہے خود ہاتھ رکھ کر دیکھ لو۔

شمیمہ - بس بس چپ رہئے میں ہرگز ایسے کلمے آپ کی زبان سے سنا نہیں چاہتی کیا ایک شریف آدمی کے یہی اطوار ہوتے ہیں۔

روٹ - ہاں ہاں اور ایسے ہوتے ہیں کیا تم مجھ کو شریف نہیں جانتیں مجھ میں کیا عیب ہیں پیاری شمیمہ کیا میں ظہیر سے کم خوبصورت ہوں۔

شمیمہ - او مجھ تو شیطان کا انسان اپنے وہ بہت کے ساتھ دغا کرنا تو اسے تو سب کچھ رکھتا ہے مگر اپنی نگاہ میں نہ کہ میری میں سبھی ظہیر کے چیر کا خاکس کے برابر بھی نہیں سمجھتی۔

روٹ - غصہ ہونے سے کیا ہوتا ہے اب میرے جس میں ہو اگر خوشی سے ماضی ہو تو خوب ورنہ نہ ہو تو کیوں جا رہا ہے۔ فکر میرے بیٹو سے رہا ہی نا ممکن ہے۔

شمیمہ - اور کیا کہتا ہے کہ انور میری بابت یہ کہتا ہے نہیں ہرگز نہیں چپ تک میرے ساتھ نہ رہا۔ تو یہ کچھ بڑا گھر نہ لے۔ یہ ماننا جائیہ نہیں میری بال بیکار کے لیے۔

روٹ - یہ سن کر ان کو کیا تم سمجھتے جیسے سمجھتی ہو۔  
شمیمہ - نہیں میں تو کچھ ایسے بدمن لوں سے نہیں جانتی کہ میری پاکدامنی

مرد تھے بچاؤ کھا لیں گی ایماندار کا حد سا مل دیتا ہے اور بے ایمان کو ہمیشہ بچاؤ دکھاتا ہے۔

یروؤن۔ مگر میں صبر نہیں کر سکتا۔ اگر خدا تجھے بچائے گا تو بچائے دے۔

شمیمہ۔ ہاں ہاں وہ تجھ کو بچائے گا اور ضرور بچائے گا۔

بچاتا ہے اور بچائے گا اپنے بندہ کو

اسی سے اسکو غفور الرحیم کہتے ہیں

بس اب میں صاف الفاظ میں کہتی ہوں کہ الگ رہ۔

روٹ شمیمہ کا ہاتھ پکڑ کر زبردستی کرنے لگا۔ شمیمہ کو عورت ہی تھی مگر پھر بھی کچھ دیر روٹ کا مقابلہ کیا آخر گھر جب کچھ نہ بنا سکی تو بے تحاشا چپخنے لگی شور مچا کر آواز سن کر شفیع بھی اپنے گھر سے نکل کر روٹ کے دروازہ پر پہنچا مگر وہیں روٹ ہی ہوتے ہوئے اور ایک عورت کو داد و فریاد کرتے ہوئے سن کر رک گیا اور روٹ کو آواز دی لیکن اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ شمیمہ نے جب شفیع کی آواز سنی تو ویلا بھی مدد ملے عزت بچاؤ۔ شفیع کو یہ آواز بہت دوڑنا تک سلیم ہوئی۔ اس نے پہلے تو دروازہ کھولنے کو کہا جب روٹ نے نہ کھولا تو فوراً دروازہ پر لڑائی لڑائی لگائی روٹ سے گھر اہل سین دروازہ کھلا ہی رہ گیا تھا۔ پس یہ فوراً اندر گیا۔ اب روٹ سے کچھ ہن نہ بڑی و فوراً الگ ہٹ کر گھر آہو گیا

شمیمہ۔ دیکھ خدا اس طرح بیگم سون کی مدد کرنا ہے۔

شفیع۔ بھائی یہ کیا معاملہ ہے یہ ہم اہل صابہ کو کون ایمن۔

روٹ۔ اچی وہی شمیمہ۔ یہ جو ظہیر بر و اسٹیٹ ہے۔

شفیع۔ یہ نام سن کر جو تھکا پڑا۔ ارب تو پھر یہ یہ نہ کہان۔

شمیمہ۔ یہ میرے واس سے سمجھتے کو چاک کہ نہ لایا ہوتا تھا۔ شک ہے کہ اڈلے نے آپ کو

بھیج دیا ہے۔ یہ عزت ہے۔

روٹ۔ میرا شفیع ہمیں اسلی میں لائی ہے۔ یہ کہان ہے۔ ہاں اسی دن

کی بجٹ کے مطابق اس کے لیے آواز ہے۔ مگر ہاں ہاں یہ حقیقت اور صدق

دل سے ظہیر بر و اسٹیٹ ہے۔

اتنے عرصہ میں وہ تمام قصہ ہو گیا جو ہم قبل ازین ذکر کر چکے ہیں نصیر خان  
کے بھائی وغیرہ تمانہ پر گئے تھے اور گھر میں عورتیں بیٹھی ہوئی نصیر خان کی حراب  
حالت یاد کر کے رو رہیں تھیں۔

شیمہ جو یہاں سے چھوٹی سیدھا گھر کا راستہ لیا اس بیجاری کو کیا خبر تھی  
کہ اس کے جانے کے بعد یہاں کیا کیا ہوا۔ گھر میں داخل ہوتے ہی ہر طرف سے  
عورتوں نے گھیر لیا۔ اور دریافت کیا کہ کہاں گئی تھیں۔ شیمہ اس کا کیا جواب  
دیتی۔ خاموش ہو کر بیٹھ گئی۔ مستورات بھی بہانہ نہ لیں۔ لیکر جان لڑکی کو  
زور کو بکرا مانا سب نہ خیال کیا اور چپ ہو گئیں۔

ناظرین خیال فرمائیے کہ شیمہ کی کیا حالت ہو گی۔ ایک شریف لڑکی کیلئے  
اس سے بڑھ کر اور کیا بات ہو سکتی ہے۔ مگر پھر بھی وہ صبر کر کے بیٹھ رہی کیونکہ  
اس کا دامن عصمت گناہ گاری کے سیاہ دھبہ سے محفوظ تھا۔ مگر صبر بھی وہ خیال  
کرتی تھی کہ جو کچھ ہوا میری ہی وجہ سے ہوا۔ آہ اگر میری یہ حرکتیں نہ ہوتیں تو  
چوری بھی نہ ہوتی ضرور بنے نہ مجھے اتنے جلتے دیکھ لیا تب تو اس نے میرے جاتے  
ہی پہچانے صاف بکرتا چاہا۔ فسوس کھت میرے چچا کو ار کر کیا پایا خود بھی جیل کی  
ہوا نکھائے گایا پھانسی پر لٹکایا جائے گا انھیں خیالات کے سلسلہ میں جب وہ  
مخیال کرتی کہ چچا وغیرہ کو یہ بات معلوم ہو گئی تو وہ لوگ کیا کریں گے یہ بات  
ایسی خوفناک تھی کہ وہ مارے خون کے سم جاتی۔ خرمیکہ اس ہم در جا کی حالت  
میں اسے نیند آ گئی اور سو گئی۔





# ساتوان باب

## جلسہ سالگرہ یا بنائے تباہی

آہی خیر کرنا عشق نے بنیا دڈالی اور  
شروع ہوا کا وظیفہ اور وظیفہ ہی تھا الی الی

نصیر خان کے یہاں جنوی ہوئے اور ان کے زخمی ہونے کی خبر پہنچ چک۔ اس  
محلے میں بدلو کی طرح پھیل گئی نصیر خان کے زخمی ہونے کا لوگوں کو بڑا افسوس  
تھا۔ کیونکہ وہ بڑا سیدھا آدمی تھا۔ نصیر الدین کو اس کا اور بھی زیادہ افسوس ہوا کیونکہ  
وہ اسے اپنی سنسرال خیال کرتا تھا۔

رات بھر میان نصیر نے جوان تو اپنے تڑپ تڑپ کر گداری۔ طرح طرح کے خیالات  
اس کے دل میں گزرتے تھے کہ شہر شمیمہ و مدائن ترکے کیوں نہیں آئی کیا مجھے ناراض  
ہو گئی یا اسی جوڑی کا اونچے گئے نہ اسکی رخصت کیا ہے وہ ہے اسکے خیال میں  
اپنا تصویب سچا رہے تھے بلکہ عیسیت کی اس قدر پختہ ہو رہی تھی کہ چوبیس و نصیر خان کے  
زخمی ہونے کا باعث و بھاری بھاری میسر ہو گئی تھی پھر اسے افسوس یہ تھا کہ آج وہ کمر  
پر بھی نہ ہو گا اور اگر ہوتا بھی تو جسمہ سی دور سے آکر نہ نہڑ سکتے گے۔ یہ اتنا سوچتے  
سوچتے جائز پائی سے اٹھنا پائی مشکاکر یہ ضو کر کے نماز پڑھو کی اور دی بانک کر اپنے  
کمرے میں بیٹھ گیا تھوڑے کا زیر کے بعد آہستہ آہستہ سو رہا۔

ابا بابلہ یہ تو شاید شمیمہ ہی کے تھے۔ بریڈنگ مگر جو رہا۔ ہمارے ایک ایک ایسے سے  
اچھا مصوڑ بھی ایسی ہی بتا مار رہا تھا۔ وہ دیکھتا کہ سر پہنچا تھا۔ وہ اسٹام نہ رہا۔  
ہوئی ہے۔ اتنے عین اسکے وقت سے شروع ہوا تھا۔ اس کے بعد اس کے ہاتھوں میں  
روفتا (نکسر) جناب بیشک میرا خیال تھا کہ اس کا ہاتھ نہ تھا۔ یہ ایک نہایت ہی  
پاکیزہ عورت ہے۔

ظہیر۔ رحیر سے روٹنے کی طرف اشارہ کیا۔ یہ کچھ سن رہا ہے۔ آہ آہ کیا کہہ رہا ہے۔



بھی تارک نہیں تھا۔ اس کے اندر میری رات میں میان نظیر کا کمرہ بھی بھلا معلوم ہو رہا ہو  
 جسے سب نے غور سے دیکھا تھا۔ اس میں گے ہیں سب روشن بین زمین پر ایک اعلیٰ  
 درجہ کی حالت پانڈی بھی ہے جس پر میان شفیع ورؤف بیٹھے ہوئے آئینہ لون کا  
 انتظار کر دینے میں بیچو بیچ کر سے میں ایک مچھوان رکھا ہوا ہے جس کی تلی میان روٹ کے  
 منہ میں ہے ایک خاصہ ان تقری بھی رکھا ہے جس میں پانڈی بڑے تکلف سے پانڈی کے  
 درقون میں لپیٹ لپیٹ کر گلوریان بنا کر رکھے گئیں ہیں جنکے بھی جو لیمپ کے ذریعے  
 سے جلنے ہیں کہ کے کو نوں میں رکھے ہوئے ہیں غرض کہ ہر طریقہ سے عروس  
 نو بہار کی طرح سجایا ہے اور کیوں نہ سجایا جاتا اس میں آج ایک ماہ جیسے ہی جنت میں  
 تشریف لائے والی ہیں۔ افسوس اگر آج اسکے بچائے کوئی عالم باد اعظا آتا تو روٹ  
 ہرگز یہ سامان نہ کرتا آہ قیامت قریب کیوں نہ آئے عزت مند دن کی بے عزتی اور  
 ذلیل و خوار لوگوں کی آؤ بھگت ہو رہی ہے بس اس سے زیادہ اور کیا کہنشی ہوگی  
 خیر ہم کو ان باتوں کی زیادہ ضرورت نہیں شاید آپ لوگوں کے ناگوار خاطر ہو اس لیے  
 ہم اپنے قصہ کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔

۱۰۔ بچے چلے ہیں تمام دوست و احباب جنکو جلسہ در شرکت مسطور تھی آچکے ہیں  
 مگر بی مسبارہ و میان لندن ابھی تک تشریف نہیں لائے۔ کمرہ دیکھنے کے لیے ان کی ٹیشن  
 آکر ان کی سنا بد اس میں مسبارہ ہی ہیں۔ ہان ہان وہ دیکھتے ہیں ان اتر کر آئے اور  
 کچھ کہہ رہے ہیں۔

لندن چلے چلے تیرا بی مسبارہ کو اتار لائے۔

روٹنڈا واہ بھائی تیری عجب انتظار دکھایا ہے

تم تو بانی کلی سے بھر ہو اور یہ سنا

مار ڈنڈا مختصاریا۔

اس سنا ہے میں آپ لوگ انکو کر گاڑی کے پاس لے گئے ہیں وہ یہ کہہ رہے ہیں  
 کو لا کر وین میں بیٹھا یا اور خاصہ ان میں کیا گیا ہے یہ کیا ہے یہ کہہ رہے ہیں  
 ٹی ٹی ٹی ٹی ٹی ٹی ٹی ٹی ٹی ٹی ٹی ٹی ٹی ٹی ٹی ٹی ٹی ٹی ٹی ٹی ٹی ٹی ٹی  
 طرح سے سوچ رہا ہے۔ یہ سنا ہے میں روٹنڈا تو بڑی ہی ہے یہ نظر سے دیکھ رہا ہے یہ سنا ہے

خیر کرے۔  
 لکڑن۔ (مذاق میں) جناب مسٹر رؤف صاحب ذرا سنبھل گئے اس طرح نہ دیکھئے  
 مہ پارہ۔ ارے ہاں کہیں نظر نہ لگائیے گا۔

مہ پارہ کے منہ سے اتنا جملہ نہ نکھر رؤف صاحب تو بکھل کر کانور ہو گئے اور کہا  
 کہ جناب دیکھئے کیا چیز ہی ہے کیوں نہ دیکھیں اس نے اس کا کچھ جواب نہ دیا اسکے  
 بعد لوگوں نے لکڑن کی جگہ اسرار کیا۔ غرض کہ مہ پارہ بڑے ہی ناز و انداز کے ساتھ  
 اٹھیں کچھ بھاؤ و خیرہ بتا۔ کہے بعد یہ غزل شروع کی ہے۔  
 شمت تھارت عشق کی بھیج لگی ہوئی  
 (مہ پارہ) یارب کجھے لگی؟ مایہ کیونکر لگی ہوئی

اس شعر پر بڑی ہی تعریف ہوئی اور بیشک اس نے اس کو گایا بھی باکل نئے  
 طرز سے تھا۔ خصوصاً میان رؤف صاحب نے تو تعریف کے بل باندھ دیے اور کیوں  
 نہ کرتے شعر بھی تو انھیں کے مطلب کا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ رویوں کی بھی لوچھا ہونے  
 لگی۔

مہ پارہ۔ ملاحظہ فرمائیے دوسرا شعر ہے۔

الفات کاجب مزاج ہے کہ ہوں وہ بھی بقرار  
 دونوں طرف ہوا گ برابر لگی ہوئی

رؤف۔ وادہ بنی مہ پارہ بس حکم دی اب اور کوئی کیا گائے گا۔ شعر بھی کیسا عمدہ و  
 بیشک تعریف کے قابل۔

لکڑن۔ اچھی جناب بھی سنئے تو بس کمال کا گانا گائی ہیں۔  
 مہ پارہ۔ سنئے تیسرا شعر عرض ہے۔

قائد الکروہ پوچھیں تو کہہ دیجو یہ حال  
 ہونٹو نیچے تو دم ہے آنکھ دریں لگی ہوئی

اس پر بھی بڑی تعریف ہوئی اور رؤف میان تو بس قربان ہوتے جاتے تھے۔  
 اسکے بعد اس نے دوسری غزل شروع کی

# غزل

خیال زلف بتان دل میں لائیں سکتے ہم اپنی جان بلا میں بچنا نہیں سکتے  
 کہہ ہے خون تمنا یہ کہہ کے قاصد سے لگی ہے پاؤں میں مندی ہم نہیں سکتے  
 ہماری آہ کے جھونکے ہیں مضمحل ایسے کہ بردہ در جانان اڑا نہیں سکتے  
 کسی کی بخشش لب نے کیا اور قتل مجھے وہ کشتہ ہوں جسے عیبی جلا نہیں سکتے  
 یہ خون نہیں کہ شب وصل و نہ جانیں کہیں  
 ہم انکو قصہ ہجران سنا نہیں سکتے  
 روف۔ خوب جناب کیا غزل گا ئی ہے۔

غرض کہ رات بھر اسی طرح گاتے رہے اور تعریفیں بھی برابر جاری رہیں  
 صبح ہونے سے کچھ دیر قبل سب لوگ تو جا جا کر سو رہے مگر روف کو نیند ہی نہیں  
 آئی وہ دیکھنے کو بیٹن بدل رہے ہیں اور دل ہی دل میں کہہ رہے ہیں۔ واللہ  
 بڑی خوبصورت ہے میں نے تو آج تک ایسی خوبصورت عورت دیکھی نہیں پھر  
 اس کا گانا تو سونے میں سما گا ہے اگر میری شادی اسکے ساتھ ہو جاتی تو کیا جرح ہے  
 مانا کہ رنڈی ہے مگر ابھی کم سن ہے دوسرے عمر بھر گناہ سننے کا آرام رہے گا اور زندگی  
 بڑے آرام سے گزرے گی مگر بڑی مشکل ہے بھلا وہ رنڈی ہو کر میرے ساتھ کیسے  
 شاد کا کرے گی۔ مگر کیا سب رنڈیاں بے وفا اور چالاک ہوتی ہیں نہیں ہرگز  
 نہیں کہیں با بچوں انگلیاں برابر ہوتی ہیں خیر صبح ہونے دو دیکھا جائے گا خیال  
 کرنے کے بعد لیٹ رہا۔ صبح کو ۸ بجے کے قریب پھر بجا شروع ہوا تقریباً ایک گھنٹہ  
 تک محفل رقص و سرور جاری رہی اسکے بعد سب لوگ تو رخصت ہو گئے اب صرف  
 مہ پارہ مع اپنے سارندوں کے رہ گئیں اور میان لڑن صاحب بیٹھے ہیں۔  
 مہ پارہ۔ کیوں جناب یہ قندیلین و جھاڑ آپ نے کہاں سے منگوایے تھے بڑے  
 فینسی بنے ہوئے ہیں میں بھی اپنے کمرے میں ایسے ہی لگاؤں گی ابابا یہ تصویر کین  
 صاحب کی ہے بڑے خوبصورت آدمی معلوم ہوتے ہیں۔  
 روف۔ جناب آپ سے تو زیادہ خوبصورت نہیں ہیں میرے ایک دوست کی

تصویر ہے۔

مہ پارہ۔ بتائے نہیں جو میں پوچھتی ہوں وہ فرمائیے ذرا اس دوکان کا پتہ بتا دیجئے جہاں سے آپ نے یہ سامان منگوا یا ہے۔

لڑکی۔ جناب کو اگر یہ پسند نہیں تو لیجائیے۔ یہ بھی آپ ہی کی ہیں۔ بہتہ بتاتے کی کیا ضرورت ہے۔

خمس پارہ۔ واہ جناب یہ سب آپ کی عزت افزائی ہے اور اصل میں تو ہم لوگ آپ ہی کا دیا پاتے ہیں۔ مگر میں یہ احسان اپنے سر ہرگز نہ لون گی۔

روشن۔ واہ یہ احسان تو مجھ ہی پر ہوگا۔ میں زبردستی آپ کو دوں گا۔

مہ پارہ۔ میری شرم اور غیرت اس بات کا انقضا نہیں کرتی ہے کہ آپ نے مجھے ملوٹ۔

لڑکی۔ اچھی واہ شرم کی کیا بات ہے۔ یہ میرے لیے عین باعث افتخار ہوگا

خمس پارہ۔ آپ تو مجھے بتاتے ہیں۔

لڑکی۔ اس تصور قدرت نے آپ کے بنائے میں کوئی کسر ہی نہیں رکھی کہ جو کوئی بتا دے۔

مہ پارہ۔ خیر اگر آپ ایسا ہی مجھ پر کرتے ہیں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

روشن۔ واہ واہ۔ مگر قبول افتخار ہے۔ بہت شرف۔

مہ پارہ۔ میان لڈن فرا دیکھنا کہ اس قالین میں یہ بھول کتنا خوبصورت معلوم ہوتا ہے۔

لڈن۔ جناب قالین سے زیادہ تو یہ چینی تصویریں خوبصورت ہیں میں نے تو اتنی

بڑی مٹی کی تصویریں نہیں دیکھی اصلیت میں چینی بھی بڑے کاریگر ہوتے ہیں

فرا ان کے چہرے ملاحظہ فرمائیے کہ کتنے بھلے معلوم ہوتے ہیں۔

مہ پارہ۔ ہاں بیشک انھیں تو میں نے دیکھا ہی نہ تھا واہ بڑی پیاری معلوم

ہوتی ہیں۔

روشن۔ مجھے تو آپ سے زیادہ کوئی چیز بھی خوبصورت و پیاری نہیں معلوم ہوتی۔

مہ پارہ۔ بیشک تو کیا میں کوئی بد صورت ہوں۔

روشن رخسار نہ کرے آپ کی صورت تو لاثانی ہے۔  
 مہ پارہ۔ اچھلے زیادہ نہ بنائے میں جاتی ہوں۔  
 روٹ۔ چاہ کھانا تو کھا لیجئے یا لوہیں۔

ہستے میں کھانا آیا اور سب نے ملکر کھایا اسکے بعد بھر باقی غرض ہو گئیں۔  
 مہ پارہ کا ایک سا زندہ۔ مگر بیوی صاحب بھلا آپ نے اتنے بڑے آئینہ  
 کی عورتی بھی دیکھی ہے مجھے تو تعجب ہے کہ یہ لائے کہاں سے۔  
 مہ پارہ۔ اسے بھائی رئیس آدمی ہیں جو چیز جان سے چاہیں منگا سکتے ہیں مجھے  
 تو یہ بھی پسند ہیں مگر کتنے ڈرتی ہوں کہ نواب صاحب زبردستی دیدین گے تو پھر انجل  
 نہ کرتے بنے گا۔

روٹ۔ جناب یہ انگسار بچا ٹھیک نہیں یہ سب چیزیں تو آپ کو لینا ہی چہرین گیں  
 مگر بتائیے کہ بھر کب ملاقات ہوگی۔  
 مہ پارہ۔ جب حضور یاد فرمائیں یہ کینز حاضر ہے۔

روٹ۔ کیا میں بھی آپ کے خلوت خانہ میں تشریف لاسکتا ہوں۔  
 مہ پارہ۔ (ہنسکر) ہاں اگر آپ حاضر ہوں گے تو بند ہی اپنے سر آنکھوں پر ڈالیں  
 مگر آپ مجھے دیر ہوتی ہے اسلئے جاتی ہوں۔ یہ کہ مگر مہ پارہ گاڑی پر جو کہ پہلے ہی  
 کھڑی تھی بیٹھ گئی اور میان روٹ صاحب نے دونوں آئینہ و چینی تصویروں کا  
 ایک جھاڑو چارون قدیلین وغیرہ زبردستی اسکے ہمراہ کر دین حالانکہ وہ ان کو  
 رکھتے ہوئے بھی انکار کرتی رہی جب گاڑی چلی گئی تو روٹ بھی ادھر ہی دیکھتا رہا۔

## آٹھواں باب

تباہی و بربادی کا آغاز

ابتداءے عشق ہے روتا ہے کیا  
 آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

ظہیر الدین کے کمرہ کی چیدہ چیدہ تصویریں و چیزیں توروں نے زبردستی  
مہ پارہ کو اپنا محقق دکھانے کے لیے دیدین اب کمرہ بالکل سونا اور اجاڑ  
معلوم دیتا ہے جیسے کوئی لوٹ لے گیا۔ مگر ہو گا روٹ صاحب کا دل بھی لٹ  
گیا اور ملاحظہ فرمائیے کہ وہ کس قدر خوشی سے لڑن سے باتیں کر رہے ہیں۔  
روٹ۔ تو بھلا لڑن آج شام کو پہنچا لگے۔

لڑن۔ جناب یہ کوچہ بڑا خراب ہے اس میں قدم نہ رکھئے طوائفین بڑی بے وفا  
ہوتی ہیں اور یوں تو میں آپ کا دوست ہوں اگر کئے تو کنوین میں پھانسی  
چڑھوں گا۔

روٹ۔ یہ تمہاری مہربانی ہے میں جانتا ہوں کہ تم میرے بچے دوست ہو۔  
لڑن۔ ایسا نہ ہو لوگ آخر میں مجھے بدنام و مطلق کرین۔  
روٹ۔ نہیں جی تمہاری بدنامی کیوں ہونے لگی۔ مگر بھلا تھے غور بھی کیا کہ وہ  
میری طرف کس نظر سے دیکھتی تھی مجھے تو خیال ہے کہ ضرور وہ بھی محبت کرتی تھی۔  
لڑن۔ میں اس کی بابت نہیں کہہ سکتا اسکا گھور گھور کر دیکھنا تو ضرور اس بات  
کا ثبوت دیتا ہے مگر اب حقیقی و مصنوعی کی خبر خدا جانتے۔  
روٹ۔ خیر چلنا چاہئے اگر وہ مجھ سے محبت نہ کرے گی تو کیا میرے روپیے  
بھی نہ کرے گی۔

لڑن۔ ضرور جناب خوب سوچی مصرعہ

ذر بر جولا د غمی نرم شود

اتنی ہی باتیں ہوئیں تھیں کہ ظہیر صاحب آگئے اور سلام و علیکم کر کے  
پوچھا کیوں جناب کیا سب مہمان رخصت ہو گئے ہیں نے تو آپ نے آئے ہیں  
بڑی دیر کی کیا مہ پارہ وغیرہ بھی لگین۔

روٹ۔ ابھی تک تو بیچاری بھی تھیں ابھی ابھی گئی ہیں۔

ظہیر (کمرے کی طرف دیکھتے ہی) یہ کیا کیا یہاں چوری ہو گئی سب سامان آتش  
کہان اور وہ پیارے صاحب کی تصویر بھی نہیں۔  
روٹ۔ اعلیٰست یہ ہے کہ چوری اور کی تو کچھ نہیں ہوئی مگر مہ پارہ نے یہ چیزیں



پسند کین۔ بس بس میں انھیں کو دیدین۔

ظہیر۔ کیوں کس صلہ میں۔

رؤف۔ اس کی صورت کے صلہ میں جناب اگر جان تک مانگتی تو میں نویدیتا۔  
ظہیر۔ افسوس دوست رؤف غضب ہو گیا۔ ارے تم رنڈی کی بھولی صورت  
دیکھ کر ایسا دیوانہ ہو گئے کہ برائی چیز میں اٹھا کر دیدین۔ تم میرے دوست تھے  
بھلا مجھے مشورہ ہی لے لیا ہوتا دیکھو کھینٹاؤ گے میرا کنایا رکھو۔ مگر یہ تو بتاؤ کہ  
وہ بیارے صاحب کی تصویر آپ نے کیوں دے دی اسے وہ لے کر کیا کریں گی  
وہ مجھے مانگ لادو جانتے ہو کہ تصویرون سے مجھے کس قدر نفرت ہوتی ہے۔  
رؤف۔ بیکار نصیحت نہ کیجئے اگر آپ کو ناگوار معلوم ہوا تو میں ویسی ہی چیزیں  
آپ کو خرید دوں گا۔

ظہیر۔ رؤف برا نہ مانو محض تم کو سمجھانے کے لیے کہہ رہا ہوں ورنہ ایسی ہزاروں  
چیزیں تیرے قربان ہیں صرف خیال اس بات کا ہے کہ آج تو تم نے اس لاپرواہی  
سے اپنے دوست کی چیزیں انکی ذرا پسندیدگی پر دیدین کل کو شاید اپنی ساری  
دولت یونہی ہی بھٹکے دے دو گے۔

رؤف۔ دولت کو دولت ہی ہے۔ میں تو اپنی جان تک دینے کو تیار ہوں بخیر  
اب میں جاتا ہوں۔

لڈن۔ میں بھی سمجھاتا ہوں میان ظہیر کہ یہ کام برا ہے مگر یہ مانتے ہی نہیں۔  
اسکے بعد لڈن و رؤف ایک کرایہ کی گاڑی پر بیٹھ کر چوک کی طرف چلے  
اور وہاں پہنچتے ہی مہ پارہ کے کوٹھے پر بے تکلف بیٹھ گئے مہ پارہ نے بڑی  
خاطر سے ایک صاف کمرے میں جہاں کہ سفید چاندنی بھی تھی اور وہ سب چیزیں  
جو ظہیر کے گھر سے آئیں تھیں لگی ہوئی تھیں بٹھالا اور بڑی بی کو جو پہلے ملکہ  
جان کھلاتی تھی ان کو کھڑک بھارا۔

بڑی بی (دور سے اچھا حاضر ہوئی) کیا نواب صاحب تشریف لائے ہیں۔  
مہ پارہ۔ ہاں آئے تو میں بڑے سہارے ہیں کتنا انتظار دکھایا۔  
رؤف۔ جب کام سے چھٹی ہوئے۔

اتنے میں بڑی بی بی نے بان لگا کر رُوف کو کھلا یا اور رُوف نے ایک پچاس روپے کا نوٹ نکال کر انکے ہاتھ دے دیا۔

بڑی بی بی رُوف کے ہاتھ میں رکھتے ہوئے اسکی کیا ضرورت ہے۔

رُوف نے۔ تو کیا میں کچھ آپ کو دے تھوڑی ہی رہا ہوں۔

رُوف نے۔ ہاں کیوں بڑی بی بی کیا نہ پارہ کسی کی لازم ہیں۔

بڑی بی بی۔ اسے واہ بیٹا تم بالکل ناسمجھ ہو۔ کیوں نہ ہو ابھی تو لڑکپن ہی ہے اُسے بیٹا ابھی تو تھیں بھی نہیں اتاری گئی۔

رُوف۔ تو کیا یہ میری نوکر ہو سکتی ہیں۔

بڑی بی بی۔ بیٹا اصل بات یہ ہے کہ ہلوگ گورنڈی کہلاتے ہیں اور پیشہ بھی مانچے ہیں۔ اب اگر ہلوگوں سے تمام طوائفوں سے بڑا فرق ہے تو تو بیٹا

سبھی اپنے منہ تعریف کرتے ہیں مگر میں نے تو خدا سے جنت نصیب کرے بیکار

ایک سو دو گریسے نکاح پڑھ لیا تھا اور ساری عمر اسی کے ساتھ گزار دی تھی اس نے

مجھے ایک بات بھی نہ کہی مگر میں نے بھی جو کیا ہے ایک بیاہتا بیوی بھی نہ کر لی۔

رُوف۔ تو کیا تم بیاہی تھیں۔

بڑی بی بی۔ (رُوف سوچ کر) اسے بیٹا نکاح تو ضرور ہوا تھا مگر کہلاتی تو رنڈی ہی تھی۔

رُوف۔ خیر میں فی الحال والدہ کی زندگی تک تو نکاح نہیں پڑھا سکتا۔

دیکھا جائے گا۔

بڑی بی بی۔ تو جیسے آپ راضی ہوں میں بھی تیار ہوں خدا کے فضل سے آپ رئیس آدمی ہیں۔

بہارہ۔ اماں مجھے امیر و غریب کی ضرورت نہیں ہے اگر نواب صاحب راضی نہیں تو میں خوشی کے ساتھ راضی۔ مگر یہ تمام عمر نباہنے کا وعدہ کریں۔

لڑان۔ جی جیاب، رُوف صاحب بڑے اچھے آدمی ہیں تم لوگ جب دیکھو گی تو خود سمجھ جاؤ گی۔

بڑی بی بی۔ چھا تو پہلے تو مسی کا جلسہ ہو گا بعد میں پھر تنخواہ بھی ٹھیک

ہو جائے گی۔

لڈن۔ کتنا روپیہ درکار ہے۔

بڑی بی۔ بس ایک لاکھ کافی ہوگا۔

روٹ۔ ارے ایک لاکھ روپیہ کیا ہوگا۔

بڑی بی۔ تمام شہر بھر کی زندیاں آئیں گی اور دوردور کی بھی نامی زندیاں بلائی

جائیں گی۔

لڈن۔ مگر بھر ایک لاکھ روپیہ بہت بہت زیادہ ہے زیادہ نہ ہزار روپیہ دیا

جاسکتا ہے۔

بڑی بی۔ وہ میان کیا میری لڑکی ایسی لگی گزری ہے کہ اپنا لاکھ سے بھی لٹی۔

روٹ۔ بیچارہ ۲۵ ہی ہزار کہنے کو تھا مگر لڈن کے کہنے سے چپ سو رہا

اور کہا کہ خیر تو اب بچاس ہزار پر ٹھیک کر لیجئے۔

بڑی بی۔ نہیں میں تو ایک لاکھ سے کم ہی نہ لون گی۔

لڈن۔ اچھا جناب تو جانیں گے (روٹ سے) بچلے سیان روٹ صاحب

چلیں۔

میرا رہ۔ ارے اماں تم بھی کیسی باتیں کرتی ہو انوکھا کچھ ویدین سے لو ہمارے

زندگی ہے پھر اور زیادہ لے لیں گے۔

بڑی بی۔ خیر جب تم ای راضی ہو تو مجھے کیا ہے سب تمہارے ہو خاطر ہے۔

روٹ۔ تو میں کل روپیہ بھیج دوں گا۔ مگر جلسہ کس دن ہوگا۔ اور دوسرے

یہ خبر کسی کو کانون کاں معلوم نہ ہو۔

بڑی بی۔ نہیں جناب بس آج کے ٹھیک ایک ہفتہ بعد۔

روٹ۔ اچھا تو ہم لوگ جاتے ہیں انشاء اللہ کل آئیں گے۔

بڑی بی۔ بہت بہتر۔ خدا حافظ۔

لڈن وروٹ نیچے اتر کر کھاڑی پر بیٹھے تو لڈن نے کہا کہ ذرا میں بات

لوںچھ آؤں تو جلدوں اس کے بعد لڈن بھر کر کھٹے پر چڑھ گیا۔

لڈن سوچنے لگی بڑی بی دس روپیہ سیٹھ میرا ہوگا۔

بڑی بی بی۔ بیٹا سب ہمارا ہی ہے مگر ایسا نہ بھانسا کہ نکل جائے۔  
لڑائی۔ واہ جناب اطمینان رکھئے دیکھئے کوس خوبصورتی سے دیوار نکلاتا  
ہوں مگر جیسا میں کہوں ویسا ہی کرنا۔

بڑی بی بی۔ اچھا۔

اتنا کمکراتر گیا اور گاڑی پر بیٹھ کر روٹ کے گھر چلا گیا۔

## نوان باب

سزا۔ موت اور جہاں

بیک گردش جینے نیلو فسر  
نہ نادر بچا ناندے نادر

باب سلفت بین ہم ناظرین کو گوش گذار کر چلے ہیں کہ بنے حالات اور  
نصیر خان اسپتال بھیج دیئے گئے افسوس کہ نصیر خان کے زخم اس قدر بے موقع  
و شدید لگا تھا کہ دودن سے زیادہ جا بڑ نہ ہو سکا حالانکہ ڈاکٹر دن اور اور  
نصیر خان کے بھائیوں نے بڑی کوشش کی مگر ملک الموت سے بس نہ جلا تہہ کے  
باپ کو حیب معلوم ہوا کہ اس کا لڑکا چوری کی علت میں گرفتار ہوا ہے تو اسے  
اس کے چھوڑانے کی بڑی کوشش کی لیکن نصیر خان کے مرنے سے کوس بڑا گرا ہوا  
تھا اور مقدمہ عدالت کے سپر ہو جانے سے پولیس بھی سوا سیکڑ دن روپیہ کھا  
جائے تھے اور کچھ نہ کر سکی۔ بننے کا باپ بیچارہ کیا کرتا۔ بیوی کی محبت کی وجہ سے مقدمہ  
کی پیروی کرنا چڑی مقدمہ کا رنگ بالکل خلاص تھا اس لیے ہزاروں روپیہ قرض  
واودھار لیکر خرچ کرنے پر بھی کچھ نہ ہو سکا بلکہ مجسٹریٹ نے سٹیشن سپر دکر دیا  
جہاں سے اسے پھانسی کا حکم دے دیا گیا مجبور ہو کر باپ بیٹھ گیا۔ مگر بیوی  
کہاں بیٹھنے دین اس کا تولد کا ہی تھا اس نے روپیٹ کر اپنا برا حال کر لیا اور

اتیار الدین سے کہا کہ ایک دفعہ پھر تم قسمت آزمائی کے لیے اپیل کرو۔ مرنے لکھا نہ کرتا  
 بچا رہنے سے پھر تھوڑا روپیہ جمع کر کے اپنی کورٹ میں اپیل کی غرض کہ بیچارے  
 بے گھر ہو چکی کو شیشین کین بھانسی کا حکم تو ضرور تبدیل ہو گیا مگر پھر ۲ سال سزا کے  
 سخت کا حکم مل گیا۔ مرنے کو تنکے کا سہارا بڑا تا ہے کی ۱۱ کو قسین ہو گئی کہ اگر  
 زندگی تے وفا کی تو ۲۰ ہی برس کے بعد چھٹ جائے گا مگر بھانسی سے تو بہتر ہے  
 اگر پھر وہ ۱۱ کا غم بڑا ہوتا ہے دوسرے دو ہی جا ب روئے بین اسکی شادی بھی شمیمہ کے  
 ساتھ ہو نیوانی تھی۔ مگر وہ اب کہاں ممکن۔ پھر شمیمہ کے لیے تو اچھا ہی ہوا۔  
 جب جیل میں گیا تو جاتے وقت اس نے شمیمہ کا سارا قصہ اتیار الدین سے  
 بتا دیا جو اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اور یہ بھی کہا کہ اس کا دل اب اتنا  
 ٹھیک نہیں۔

نصیر خان کے بھائیوں سے اور اتیار الدین خاں کی دینی ہو گئی تھی دوسرے  
 وہ اس رات کا قصہ دیکھ کر بھلا شمیمہ کا رہنا کب گوارا کرتے تھے اس لیے دو ہی  
 تین روز کے بعد اسے اتیار الدین کے گھر بھیج دیا جان اسے پھر گزشتہ تکلیفوں کا  
 سامنا کرنا پڑا۔ اپنے کی مان نے روپیہ لے کر اپنے شوہر کو سمجھا یا کہ اس کی شادی  
 شمیمہ ہی کے ساتھ ہوئی چاہئے باب راضی نہ تھا مگر بیوی نے کچھ ایسا مجبور کیا اور  
 کہنا لگا کہ تم ایسا نہ کرو گے تو میں زہر کھا لوں گی زبردستی اتیار الدین بھی عقل کا  
 اندھا راضی ہو گیا۔ مگر شمیمہ اس کو کب ماننے والی تھی بلکہ دنیا کی کوئی بھی جوان  
 لڑکی اس بات کو نہ مانے گی ہاں اگر شمیمہ کو یہ بات معلوم ہو جاتی کہ ۲۰ نہیں ۳۰  
 برس بعد بھی اسکی شادی ظہیر کے ساتھ ہو جائیگی تو ہمیں یقین ہے کہ ضرور  
 وہ ۲۰ برس صبر کیے بیٹھی رہتی مگر کجب تو اتیار الدین کا عقلا بر ہے کہ وہ کیا  
 سمجھا کیا اس نے خیال کیا تھا کہ ۲۰ برس تک یہ کنواری بیٹی ہی رہے گی شمیمہ کو  
 نصیر کے گھر سے چلے آئیے بعد بڑا سوچ یہ تھا کہ ظہیر سے کیونکر ملاقات ہو۔ مگر  
 اسقدر دور تھا کہ جانا نا ممکن ہے راہ سے بھی نا بلکہ آخر کار اسے کاغذ فلم ووات  
 لیکر چلے سے ایک خط لکھا اور احتیاط سے اس امید پر کہ شاید کوئی راز دار مل جائے گا  
 تو اسے پوسٹ بکس میں چھوڑ دیا وہ دن کی اپنے سینہ میں رکھ لیا شمیمہ کو عرصہ کے بعد

لنگر آتی تھی مگر بھر بھی اسکی بچنے کی دوا ایک ملنے والیاں اسکے پاس آنے لگیں ان میں  
ایک کا نام نورن تھا وہ اس کی بڑی ہی دوست تھی اس کا سن کوئی ۱۲ برس کا  
تھا وہ زیادہ تر شمیمہ ہی کے پاس دن بھر بیٹھی رہتی تھی ایک شمیمہ نے موقع ملکر  
کہا کہ بھلا نورن باز رہ جاتی ہو۔

نورن۔ ہاں ان اکثر جاتی ہوں کیون کیا کچھ منگاؤ گی۔  
شمیمہ۔ نہیں کچھ منگاؤں گی نہیں بلکہ ایک کام ہے اگر تم کر دو تو میں تمہیں انعام  
دوں گی مگر کسی سے کہنا نہیں۔

نورن۔ بھلا بہن شمیمہ تمہاری بات کسی سے کہہ سکتی ہوں تم بتاؤ تو کہ کیا کام ہو۔  
شمیمہ۔ بتاؤں گی مگر پہلے قسم کھا لو تو بتاؤ گی۔

نورن۔ نہیں بہن میں کسی سے بھی نہ کہوں گی تمہاری جان کی قسم۔  
شمیمہ۔ اچھا تو سنو ایک خط ڈاک میں چھوڑنا ہے۔

نورن۔ لائے یہ کون بڑا کام ہے ابھی چھوڑے آتی ہوں۔  
شمیمہ۔ اچھا لو مگر کوئی دیکھنے نہ پائے۔

نورن۔ خط ہاتھ میں لیکر اچھا اب بتائیے کہ یہ کیا ہے اس کے پاس جا رہا ہے۔  
شمیمہ۔ پونہ میں ایک آدمی کے پاس بھیجا ہے انکی بہن سے مجھے بڑی دوستی تھی۔

نورن۔ مجھے یوقون نہ بتاؤ۔ مگر سچ سچ بتاؤ۔

شمیمہ۔ اچھا جاؤ چھوڑاؤ تو بتاؤں گی۔  
اسکے بعد نورن باز رہ چلی گئی اور خط کو ریڑ پکس میں چھوڑ دیا۔

## دسواں باب

انتظار اور خط  
خط نہ آئے نہ سہی سیک ہی آئے کوئی  
منتظر ہوں خبر یا رسنا سے کوئی نہ

بیچارہ ظہیر کو پیاز کی صاحبہ کی تصویر نہ ملنے کا بڑا افسوس تھا اسنے لاکھ  
 کوششیں کیں کہ ملے یا نہ ملے۔ رات صبح اس کے لانے کی مطلق پروا نہ کی اسنے  
 کرنے۔ بیون یہ باعث کسر شان بھی تھا۔ ظہیر نے جیون تیون کر کے اتنا دن  
 گزر گیا اور رات کو چار پائی پر لیٹے ہی شمیمہ کی یاد کرنے لگا آیا وہ آئے گی یا نہیں  
 آج تو اسے ضرور آنا چاہئے۔ اگر اس دن اس کا راز کھل گیا ہو گا تو بڑی مشکل  
 کا سامنا ہوگا۔ اور آج بھر وہ نہ آ سکے گی۔ غرض کہ ایسے ہی خیالات میں تارے  
 گین گین کر رات تمام ہو گئی مگر شمیمہ نہ آئی اب ظہیر کے رنج و غم کا کیا کہنا کھانا پینا  
 سب چھوٹ گیا۔ نہ کسی سے بولتے ہیں نہ ہنستے ہیں اسوقت بھی شفیع بیٹھے ہیں  
 اور ان کی دلجوئی کر رہے ہیں۔

شفیع۔ امان۔ افسوس کرنے سے کیا ہوتا ہے جو تقدیر میں ہے وہ ہوگا۔ مگر تم  
 گھبراؤ نہیں۔ میں تمہارے مان سے ضرور ذکر کروں گا  
 ظہیر۔ امان بھائی خدا کی قسم کیا کروں۔ جی ہی نہیں مانتا۔ والدہ الگ پوچھا کرتی  
 ہیں کہ چپ چپ کیوں رہتے ہو۔

شفیع۔ ہاں یہ سب ٹھیک ہے مگر اب کیا ہو سکتا ہے۔  
 ظہیر۔ یا رکسی طرح اس کا پتہ ہی معلوم ہو جاتا کہ کہیں اسکے گھر والے اس بات  
 سے واقف تو نہیں ہو گئے۔ مگر یہ معلوم کیسے ہو سکتا ہے مشکل تو اس بات کی  
 ہے کہ کوئی ایسا راز دار نہیں ہے۔

شفیع۔ دیکھو اگر تم اپنے گھر کی حلال خواری سے دریافت کرو تو یقین ہے کہ ضرور  
 کچھ نہ کچھ مجید معلوم ہو جائے گا۔ کیونکہ شمیمہ کتنی بھی تھی کہ مہترانی سے یہ سب  
 معلوم ہوا۔ اور تمہارا پتہ معلوم ہوا۔

ظہیر۔ یا رہاں خوب سوچی بس یہی ٹھیک ہے اس سے بڑھ کر تو اور کوئی سلسلہ  
 وہاں رسائی کا نہیں ہو سکتا۔

(اتفاقاً بھنگن ادھر سے گذرتی ہے)

شفیع۔ (چپکے سے) لو میان۔ کیسے خوش قسمت ہو۔ اب کیا چاہتے ہو۔ اب تو باپ بچوں  
 انگلیاں لگی ہیں ہین۔ بلاؤ۔ بلاؤ۔

ظہیر ابھی تم نے آج ابھی ناکہ بھاڑ و نہیں دی۔ دیکھو کیسا گندہ طر ہے۔  
 مہترانی میان و نکھو اٹھتی ہوں۔ جب سے بدھو جمعہ رات کی صاف  
 کردار ہے سے وہ ان سے چھوٹی تو کریم الدین نے پکڑ لیا۔  
 ظہیر بار سے ہاں دیکھ ان کے بھائی کا بھی حال سنا۔ ہاں بیچارے کی موت کیسی  
 خراب ہوئی۔ مگر یہ نہیں سمجھ میں آتا کہ ان کے بھتیجے ہی نے کیوں ان کے بھائی  
 جیسی کی ہے۔

مہترانی کیا معلوم میان۔ پہلے گھر کی بات کون جانے۔  
 ظہیر اچھا ذرا سفق۔ ہم ایک بات تم سے پوچھیں۔ بتاؤ گی۔  
 مہترانی۔ وہ میان بھلا آپ کو نہ بتاؤ گی۔  
 ظہیر مگر نہ دیکھو کسی سے کچھ کہنا نہیں۔ ہکو بھی تمہارا سب حال معلوم ہے ہاں۔  
 مہترانی۔ میان میرا کیا حال۔ اور میں کیوں نہ بتانے لگی۔ مگر پہلے معلوم بھی تو کرو  
 کہ کیا بات ہے۔

ظہیر۔ شمیمہ آج کل کیسی ہے  
 (شمیمہ کا نام سنکر مہترانی کے منہ پر ہوا ایمان اڑنے لگیں)  
 مہترانی۔ میان وہ تو یہاں سے اپنے باپ کے ہاں بھیج دی گئی۔  
 ظہیر یہ انکے باپ کا گھر کمان ہے اور یہ بھیج کیوں دی گئی۔ وہ تو ہمیشہ سے میں  
 رہا کرتی تھی۔

مہترانی۔ کہیں دور رہتے ہیں۔ معلوم نہیں کہ کیوں بھیج دی گئی مگر اسی ہی کوئی  
 بات ہوئی ہے کہ جو بھیج دی گئی۔

ظہیر۔ اچھا جاؤ۔ بس کسی سے ذکر نہ کرنا۔ اچھا۔  
 شفق۔ اچھا یہ معاملہ ہے۔ تو پھر بیچاری کیسی آئے۔  
 ظہیر۔ مگر ظہیر اب کیا کرنا چاہئے۔

شفق۔ گھر او نہیں۔ کوئی ترکیب کی جائیگی۔ مگر میرے خیال میں تو وہ کچھ کر  
 کر سکی۔

راستے میں ظہیر کی ماں آگئیں اور انھوں نے بدہ کے پاس آکر



ظہیر کے کہنا: شفیع ذرا بیٹھا دیکھو۔ تمہارے دوست کا کیا حال ہے نہ کھانا کھاتے ہیں۔ نہ پانی پیتے ہیں۔ کیا باجر ہے نہ تو کچھ مرض ہی معلوم ہوتا ہے کہ جو علاج کیا جاوے۔ ان کی فکر میں مجھ کو اور بھی مارے ڈالتی ہیں۔ یہ کمبخت مان کی محبت بھگتو نہیں مانتی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ تاکہ اس کا کچھ دفعہ کیا جاوے۔ شفیع شیخی ہاں آپ کا فرمانا بالکل صحیح ہے۔ یہ رہتے تو بہت رنجیدہ ہیں۔ مگر مجھ سے بھی صاف صاف نہیں بتاتے کہ کیا معاملہ ہے۔ میں تو خیال کرتا ہوں کہ ان۔۔۔ والدہ۔۔۔ کو کو کیا کہنا چاہتے ہو۔

شفیع۔ جی کچھ نہیں۔  
والدہ۔ تمہیں خدا کی قسم صاف صاف کہو۔ کیا کہہ کہنے کو تھے۔ او۔ کیوں جب ہو گئے۔

شفیع۔ میں خیال کرتا ہوں کہ ان کی شادی کر دیجئے۔ یہ سب غم غلط ہے یا ننگا والدہ۔ بیٹا میں خود ہی اس جس میں ہوں۔ کوئی قاعدہ کی طرح کی ہی نہیں ملتی۔ تم ہی کوئی ڈھنگ کی بتاؤ۔

شفیع۔ (ظہیر کا منہ دیکھ کر) میں بھلا کہاں بتا سکتا ہوں۔ لیکن قاعدہ کی طرح کی سے آپ کا کیا مطلب ہے کیا بہت رئیس اور مالدار گھر کی طرح کی دکھا رہا ہو۔ والدہ۔ ہاں ہاں۔ ذرا خوشحال اور عالی نسب ہو۔

شفیع۔ جناب امارت کا معاملہ بڑا اچھڑھا ہے۔ والدہ بہت ملجا دینے لگے مگر بشر بیعت اور عالی خاندان کی تعداد بہت کم ہے مذہب اسلام میں امارت اور۔۔۔ دار فانی کا امتیاز نہیں رکھا گیا۔ شادی کے وقت اس بات کا جاننا کافی ہے کہ آیا خاندان کے لوگ خدا اور رسول کی احکام کو بجالاتے ہیں یا نہیں۔ صوم و صلوات کے پابند ہیں یا نہیں۔ کلمہ گو ہیں یا نہیں۔ ایسا تو نہیں ہے کہ فار بازی اور بادہ کشی اور عیاشی کی تباہ کن عادات پائی جاتی ہوں بس ان امور است کا جائزہ ضروری ہے۔

والدہ۔ تو پھر بیٹا کسی غیر خاندان میں شادی کر لو ان یہ بھلا ممکن ہو سکتا ہے۔

شفیع۔ دیکھئے۔ آپ پھر ویسا ہی سوال کرتی ہیں۔ میں پھر کہتا ہوں کہ شرافت کی  
اور ضرورت ہے اور چاہے اجازت ہو یا نہ ہو۔ آپ کی معقول جگہ بات چیت ہو  
اور اگر میرے پوچھ کر شادی کر دیجئے۔  
والدہ۔ بیٹا یہ باتیں کرتے ہو۔ کہیں بڑے سے بھی راسے لی جاتی ہے۔ یہا  
شفیع دیکھئے آج کل بعض واقعات اس قسم کے دیکھے گئے ہیں اور اکثر دیکھے  
ہوتے ہیں۔ کہ بڑے کی راسے بغیر شادی کر دینے سے بہت خراب نتائج ظہور پذیر  
ہوئے ہیں۔

والدہ۔ اچھا! فرض میں تمہارا ان سب باتوں کو ان بھی لون۔ لگائے باپ کو؟  
کو ان سمجھائے گا۔  
شفیع۔ آپ سمجھائیے۔ آخر نہ سمجھنے کی کیا وجہ۔ دوسرے یہ کہ یہ خود بھی کسی دوسرے  
جگہ داریکے۔

ظہیر شرم کے اسے بہت زور سے شفیع کا پیر و باتا ہے اور اسکو ایسا  
کہنے سے منع کرتا ہے

والدہ۔ تو آخر ان کی منشا ہے کیا۔  
شفیع۔ اچھا دیکھئے میں کسی وقت تحلیل میں عرض کروں گا۔  
والدہ۔ اچھا مگر بیٹا ذرا انکو کھانا تو کھلاتے جاؤ۔  
شفیع۔ اچھا بھیجئے۔

رمان نے اندر سے جا کر کھانا بھیج دیا اور دونوں کھانے لگے۔ ابھی دوپہ  
چار بجے کھائے تھے کہ پوسٹ میں نے ایک لفافہ لا کر دیا۔ ظہیر ہاتھ کا لفافہ  
رنگھ دیتا ہے اور خط چاک کرتا ہے۔ نگاہ پڑتے ہی فرط مسرت سے اچھل پڑتا  
ہے اور اس کا دوست اسکے ہاتھ سے لفافہ لیکر یوں بڑھتا ہے۔

جو جانتے کہ یہ چُن چُن کے انکو توڑینگے  
تو گل سمجھی نہ تمنا سے رنگ و بو کرتے

میری جان سے زیادہ عزیز۔ میرے قلب کے سرور آہ تم کو کیا لکھوں اور  
کیونکر لکھوں ہاں تم وہ گل نہیں ہو کہ جس میں بوس و فاپائی جاوے تمہاری

ظاہری محبت نے میرے دل کو ایسا گرم کر دیا کہ اب ہر وقت تمہارا ہی نام در د  
زبان ہے۔ مگر پیار سے مجھ کو تم سے ایسی امید بے تھی آہ سہ  
اگر دانستہ ماز روز ازل داغ جلائی را

بدل روشن نمی کردن چہ رخ آشنائی را

تم کو یہ بھی خبر نہ ہوگی کہ میں زندہ ہوں یا کہ تمہارے اوپر سے جدا ہو چکی۔ میں  
خیال کرتی ہوں کہ شاید تم اس دن سے بھی بالکل بے خبر ہو کے جب۔ لیکن کہ میرا  
گل عصمت پامال ہونے کو تھا۔ مگر شکریہ کہ تمہاری ظالم دوست نے تمہارے  
دوست سے بچا دیکھا اور میں اپنے گھر واپس آئی۔ مگر جب داخل ہوئی تو سب  
ماجرہ دیکھا۔ گھر کے سب چھوٹے بیٹے اگر کھڑے ہوئے اور مجھ کو گھیر لیا۔ میں  
دریائے خجالت میں غرق ہو گئی کیا کہتی کہ کہاں گئی تھی۔ اب آخر کو کوزہ مانے نے  
زنگ دکھایا آسمان فتنہ پرور کو۔ ہمارے ہمارے ملاقات اچھی نہ معلوم ہوئی  
بچا جان کا انتقال ہو گیا اور بھائی کو ۲۰ سال کی سزا ہو گئی۔ یہ سب معاملے تو  
آپ کو معلوم ہونگے۔ اسکے بعد جی وغیرہ نے ہلکویہاں بھیج دیا۔ اب کس طرح  
خط و کتابت کا سلسلہ شروع ہوتا۔ آخر کو میں نے ایک چھوٹی ٹیڑھی کی کو یہ خط  
دیکر ڈاک میں ڈلوادیا۔ اگر آپ کو ملا تو رہے قسمت ورنہ میری تقدیر۔ خبر  
بچی کے مرنے اور بھائی کے سزا پانے سے مجھ کو ایک طرح کی خوشی بھی ہے اور رنج  
بھی۔ خوشی اس بات کی ہے کہ ہونے والا خاوند جیل چلا گیا۔ اور رنج اس امر کا  
ہے کہ اگر ہوتا تو آپ سے خفیہ خفیہ ملاقات کرتی۔ خیر ان باتوں کو جانے دیجئے۔  
اب آپ مجھ کو کسی طرح اپنی کینز کی بن لیجئے۔

ورنہ جان تو ضرور ہی جائیگی در صورت افشا دراز آبر و نری کا بھی خون  
اور زیادہ کیا لکھوں۔ میری طرف سے شفیع کو آداب عرض کر دیجئے گا۔

فقط

اسیر بلا آبی شمیمہ

پتہ یہ ہے  
شفیع۔ ابا ہا۔ لاؤیار۔ اب تو مٹھائی کھلاؤ تم کہتے تھے کہ۔

یارب ہماری آہ میں کچھ بھی اثر نہیں

ظہیر۔ ہاں۔ ان پہلے شادی تو ہونے دو۔  
شفیع۔ اچھا یہ تو ہو تا رہے گا۔ مگر اب کی میرا سلام بھی ضرور لکھ دینا۔ اب  
میں باہر ہوں۔ انشاء اللہ کچھ ملاقات ہوگی۔ سوچتا ہوں کہ تمہاری ماں میری  
نقرب سے کچھ ناراض نہ بنیں ہو گئیں۔  
ظہیر۔ ارے نہیں یا رکیسا تمہارا خیال ہے۔ ان کی طبیعت ایسی نہیں ہے۔

## گیارھواں باب

### شفیع کی شادی کا بیغام

دل کا ارمان ہائے دل ہی میں بھار رہ گیا  
غیر امید کیسا کھلتے ہی مرجھا گیا  
روٹ کی بہن جسکی سالگرہ کا جلسہ آپ صاحبان بھی ظہیر کے کمرے میں  
ملاحظہ فرما چکے ہیں خدا کے فضل و کرم سے اسوقت ۱۴ برس کی تھی خدائے  
دولت و ثروت کے ساتھ ہی حسن و صورت بھی خوب عطا فرمائی تھی حینہ  
کی ماں ایک عقلمند عورت تھی۔ اس نے سوچا کہ اپنے جیتے جی ہی اس کی شادی  
کر دینا چاہئے ورنہ بعد کو نہیں معلوم کیا ہو۔ میرے بعد روٹ کیسے  
برتاؤ کرے۔ اسکی نظروں میں۔ شفیع و ظہیر دو ہی ایسے لڑکے تھے جن کے ساتھ  
اسکی شادی ہو سکتی تھی۔ مگر اب انہیں زیادہ مناسب کس کے ساتھ تھا یہ بات  
قابل غور تھی۔ شفیع کو ظہیر الدین کے برابر دولت و ثروت نہ رکھتا تھا لکھنوی  
اسکے باپ ایک اچھی حیثیت کا آدمی تھا۔ شفیع بھی صورت شکل میں ظہیر سے کم نہ تھا۔  
خدائے اسے بڑا ذہین بنایا تھا اسوقت اسکی عمر تقریباً ۲۰ سال کی تھی مگر وہ

بی۔ اے۔ پاس کر چکا تھا اس کا رنگ گھنوا تھا آنکھیں بڑی خوبصورت و کالی تھیں بلکہ جسم بچپن سے زیادہ خوبصورت چیز اس کی آنکھیں ہی تھیں۔  
 رُف سے اس سے بچپن سے دوستی تھی اس لیے برابر اس کے گھر جایا کرتا تھا حسینہ  
 یاروٹ کی والدہ کوئی اس سے پرہیز نہ کرتی تھیں۔

حسینہ بچپن ہی سے شفیع کو محبت کی نظروں سے دیکھا کرتی تھی مگر اب بچپن  
 کی محبت کا رنگ کچھ عشق سے تبدیل ہو چلا تھا شفیع بھی اس پر جان و دل  
 گزار رہا تھا مگر اس کے صبر و استقلال نے آج تک اس بات کو کسی پر ہویدا  
 نہ ہونے دیا تھا۔

رُف کی والدہ اکثر شفیع کے گھر جایا کرتی تھی۔ آج اتفاق سے رُف کی والدہ  
 پھر شفیع کے گھر گئیں اور معمولی گفتگو کے بعد شفیع کی ماں نے کہا کہ بھلا آپ نے  
 حسینہ کی شادی کی بھی فکر کی یا نہیں، اشاء اللہ سے اتنا جوان ہے۔  
 والدہ رُف۔ ہاں، بن مجھے خود ہی فکر ہے مگر جب تک کہیں سے پیام وغیرہ  
 نہ آئیں کیونکہ کروں۔

والدہ شفیع۔ لیکن آپ کا بھی تو کہیں ارادہ ہے۔

والدہ رُف۔ میں کیا کسی سے خود کہوں۔

والدہ شفیع۔ اگر آپ کی مرضی ہو تو میرا بیٹا شفیع غلامی کے لیے حاضر ہے۔

والدہ رُف۔ اچھا میں سوچوں اس کا جواب دوں گی۔

والدہ شفیع۔ خیر کوئی ایسی محنت کی ضرورت بھی نہیں ہے۔

انہی گفتگو کے بعد رُف کی ماں اپنے گھر واپس آئیں اور رُف کو بلا کر  
 بلوچھا کہ کیوں بیٹا کیا حسینہ کی شادی شفیع کے ساتھ کروں لڑکا تو اچھا ہے  
 اب کی بی۔ اے۔ بھی پاس کیا ہے گوا ایسا تعلق دار نہیں۔ مگر اگر ہماری حسینہ کی  
 قسمت اچھی ہوگی تو خدا بہت کچھ دے گا۔

رُف۔ ارے اماں ابھی صبر کرو ایسی جلدی کیوں ہے۔ کہیں اور سے بھی پیام  
 آنے دو تب دیکھا جائے گا۔

والدہ رُف۔ اچھا بیٹا۔ جس میں تمہاری مرضی ہو۔ اب تم ہی اس کے سر پرست

خیر بھائی باپ کے برابر ہوتا ہے۔

روؤں۔ ہاں۔ ہاں میں خود ہی جلد سے جلد کو شیش کر دیا گا۔

ناظرین اس دن جو شفیع و روؤں میں شمیمہ کی بابت بحث ہوئی تھی اسکی

کدورت اب تک روؤں نے دل میں بھری تھی۔ بر خلاف اسکے کہ شفیع کو اسکا

خیال بھی نہ تھا وہ اسکو صرف ایک دوستانہ بات چیت ہی سمجھا تھا دوسرے

پھر شفیع ہی کی وجہ سے روؤں شمیمہ کے ساتھ اپنے دل سے جو صلے نہ نکال پایا تھا۔

انہیں باتوں سے روؤں اس کا دیکھنے میں دوست مگر اصلیت میں دشمن

ہو رہا تھا۔ روؤں ہرگز نہ چاہتا تھا کہ ہن کی شادی شفیع کے ساتھ کرے

اسیوجہ سے اسنے اپنی ماں کو ٹال دیا۔

شفیع اب روؤں کے گھر بہت کم آتا تھا کیونکہ اسکی ماں نے سمجھا دیا تھا کہ

ہن نے تمہاری شادی حسینہ کے ساتھ ٹھرائی ہے مگر شفیع خوب جانتا تھا کہ

روؤں اسے اپنے اراووں میں کامیاب نہ ہونے دے گا۔ اتفاق سے شفیع ایک

دن شفیع شمیمہ اسکے گھر چلا گیا اور روؤں کی ماں کو سلام کر کے بیٹھ گیا۔

روؤں کی ماں۔ جیتے رہو بیٹا۔

حسینہ۔ بھائی جان اب تو تم دکھائی ہی نہیں پڑتے۔

شفیع۔ ہاں ذرا امتحان کی وجہ سے فرصت کم ملتی تھی۔

حسینہ۔ تو کیا آپ دن بھر پڑھتے ہی رہتے تھے۔

شفیع۔ (حسینہ کی طرف دیکھتے ہوئے) تم نے تو شکایات کے دفتر کھول دیئے

مگر یہ بتاؤ کہ تم بھی کبھی میرے یہاں آتی ہو۔

حسینہ۔ میں تو مجبور ہوں کیوں کر آؤں۔

شفیع۔ کیوں مجبور کی کیا ہے۔

حسینہ۔ جب امان اجازت ہی نہ دین تو کیوں کر آؤں۔

والدہ روؤں۔ اے واہ لڑکی میں نے کب منع کیا تھا۔ خود فراموشی کند

نہمت دہدا استاد را۔

شفیع۔ لیجئے سارا حال کھل گیا۔

حسینہ (بھولے ہیں سے) یہ آپ ہی کے سانسے ایسا کہتی ہیں بعد کو منہ نکالتی ہیں  
شفیع۔ کیوں امان جان کیا یہ تھیک کہتی ہیں۔  
والدہ رؤف۔ ارے بیٹا تم اس جھوٹی کی باتوں پر نہ جاؤ۔ میں کہوں  
منع کرنے لگی۔

حسینہ۔ ابھی تو کل ہی آپ جاری تحقیق میں نے چلنے کو کہا تھا مگر آپ نے ڈانٹ دیا۔  
والدہ رؤف۔ (گھونسا کر کر) اری میں نے کہا تھا رؤف گھر میں نہیں ہے تو بھی  
چلی جائے گی تو گھر اکیلا رہے گا نہ کہ منع کیا تھا۔  
شفیع۔ اچھا ہو گا جانے دیجئے اب میں جاتا ہوں انشاء اللہ پھر کبھی آؤں گا۔  
حسینہ۔ دیجئے جو گھر یاد رہے گا تب تو۔  
شفیع۔ نہیں نہیں جلدی ہی آؤں گا۔

اسکے بعد سلام کر کے شفیع تو چلا گیا حسینہ اپنی چار پائی پر جا کر لیٹ رہی  
اور دلمیں خیال کرنے لگی کہ شفیع سے مجھے اس قدر محبت کیوں ہے اور وہ اس قدر  
بھلا کیوں معلوم ہوتا ہے کیا دنیا میں اس سے زیادہ خوبصورت آدمی نہیں  
ہے۔ سان میشک نہیں ہے اور پھر وہ بھی مجھے دل سے چاہتے ہیں اکثر اک ٹک  
میری ہی طرف دیکھا کرتے ہیں۔ خدا کرے کہ امان جان میری شادی انھیں کے  
ساتھ کر دیں تو زیادہ بہتر ہو۔ مگر بڑی مشکل معلوم ہوتا ہے بھیا تو بھانجی بارے  
میں نہیں معلوم اتنے کیا عداوت ہے۔ میں خود کیسے کہوں شرم آتی ہے ورنہ ضرور  
کہتی۔ اب وہ بیچارے آتے بھی بہت کم ہیں میں صورت تک دیکھنے کو ترسا کرتی  
ہوں۔ دیکھوں اب کب وہ پیاری صورت دیکھنے کو ملتی ہے انھیں خیالات  
میں بینڈ آگئی اور سو گئی اور ایک خواب دیکھا کہ شفیع مر گیا ہے اور خود اس کی لاش کو  
لیے ہوئے بیٹھی رد رہی ہے اور کہتی ہے کہ افسوس پیارے تم مر گئے بولتے کیوں  
نہیں مجھ سے خفا ہو۔ مگر بتاؤں تو کہ میرا کیا قصور ہے۔ ہاے بائیں کیا اتنا  
بھی نہ بولو گے دیکھ اب بھی بول دو ورنہ لوہن بھی اپنا خاتمہ کیے دیتی ہوں۔  
یہ کہہ کر چھری اٹھا کر اپنے سینہ میں بھونکنے لگی تو شفیع زندہ ہو گیا اور فوراً  
اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس کے بعد اس کی آنکھ کھلی تو دیکھا کہ اکیلی چار پائی پر

۵۱  
 ۱۰۰۰ روپے میں جو اس نے لکھا تھا اس کے کسی کو بھی بتایا نہیں

## بارھوان باب

### مہ پارہ کی مستی

سنبھل جا اب بھی دیوانے نہیں موقعہ خوشی کا  
 کلب دن آگیا ہے عزت و غرور توشتی کا

عبدالرؤف نے دوسرے ہی روز ۵۰ ہزار روپیہ لٹن کے ہاتھ بھجوا دیے  
 ہفتہ جلد ختم ہونے کی دعا ماننے لگا لٹن نے ۱۰ روپیہ فی سیکڑہ کمیشن لے کر  
 باقی ۴۵ ہزار بڑی بی کے حوالے کر دیئے انھوں نے بڑی دھوم دھام  
 دعوت و جلسہ کے سامان شریع کر دیئے سہرے کا ہڈ چھپو اگر تمام مشہور  
 مشہور رنڈیوں کے نام روانہ کر دیئے مہ پارہ کے گھر کے سامنے ہی ایک پارک  
 تھا اس میں خیمہ ڈیرے نصب ہونے لگے معلوم ہوتا ہے کہ بس کسی راجہ کی  
 شادی کا اہتمام ہو رہا ہے جان کاموں کے زیادہ تر تنظیم لٹن ہی نظر آتے ہیں۔  
 خلاصہ اگر کے دو روز جلسہ کے لیے باقی رہ گئے ہیں اکثر دور دور کی رنڈیاں  
 پہلے ہی سے آگئی ہیں جو الگ الگ خیموں میں قیام پذیر ہیں آج میان رؤف صاحب  
 بھی جلسہ کا سامان ملاحظہ کرتے آئے ہیں وہ دیکھنے کچھ باقی کر رہے ہیں۔  
 رؤف۔ دیکھو لٹن کوئی کثرت نہ رہے کہ باعث بدنامی ہو۔  
 بڑی بی۔ جناب بچا سن ہزار میں جو کچھ ہو گا وہ کیا جلسے کا اور میرے پاس بھی  
 نہیں جو اس میں ملا دوں۔

رؤف۔ تو کیا اتنا روپیہ کم ہے اسمین تو سب کچھ ہو سکتا ہے۔  
 لٹن۔ ہاں کم تو نہیں ہے مگر جتنا ہے اتنا ہی یوں تو نام کے لیے چاہیے  
 لاکھوں خرچ کر دے جتنا کر دے ایسے کا اتنا ہی بیٹھا ہو گا۔ ایسے ہی جتنا روپیہ



خرچ کیجئے اتنا ہی نام ہوگا۔  
 بڑی بی۔ اچھی بچپن ہزار تو صرف کرایہ وغیرہ کے بابت صرف ہو گئے  
 کھانا وغیرہ کی کچھ نشان ہی نہیں۔  
 روف (لڈن کو الگ بلا کر) کیا یہ حساب بڑی بی سچ بتاتی ہیں۔  
 لڈن۔ بیشک سب میرے ہی ہاتھوں تو خرچ ہوئے۔  
 روف۔ تو میرا کیا کرنا چاہیئے۔  
 لڈن۔ جو حضور کی مرضی ہو میں کچھ نہیں کہتا۔  
 روف۔ (رجب سے چک نکال کر) ۲۵۔ ہزار اور جا کر بینک سے بٹھالو۔  
 لڈن نے چک لے لیا اس کے بعد دونوں جا کر پھر وہیں بیٹھ گئے۔  
 بڑی بی۔ کیا رائے کی باتیں تھیں جو ہم سے چھپا کر ہو رہی تھیں۔  
 لڈن۔ باتیں کچھ نہیں ہو رہی تھیں لڑا ب صاحب نے ۲۵ ہزار روپیہ آپکو  
 جلسہ کے لیے اور دیا ہے۔  
 بڑی بی۔ مجھے کاشکود یا تو اپنے نام کو ورنہ آپ ہی بے عزتی ہوتی۔  
 لڈن۔ واہ بی صاحبہ واہ لڑا ب صاحب کے جگر سے کی تعریف تو نہیں کرتیں۔  
 میرے بارہ۔ اسے ہاں مان یہ بھی کوئی بات کیا انھیں کی تعریف ہوگی ان کے ساتھ  
 ہلو گون کی نہ ہوگی۔  
 لڈن۔ (کچھ اشارہ دیکر) ہوگا جانے دو۔  
 میرے بارہ (سنجیدگی سے) بھلا مان سب انتظام تو پورا ہو گیا مگر میرے زیورات ابھی  
 تک کیوں نہیں آئے کیا میں یوں ہی نکلی بیٹھوں گی۔  
 بڑی بی۔ واہ لڑی کی کسی نادانی کی باتیں کرتی ہے لڑا ب صاحب نے خود ہی  
 اس کا انتظام کیا ہوگا۔  
 روف۔ باتیں تو کیا زیورات بھی مجھی کو دینا پڑیں گے۔  
 بڑی بی۔ کیوں آپ نہ دیکھئے گا تو کیا میں دون گی یہ تو قاعدہ ہی ہے۔  
 لڈن۔ مگر کون کون زیوروں کی ضرورت ہے۔  
 بڑی بی۔ بڑی۔ گلابند۔ طوق۔ چاند۔ ٹیکہ۔ بندے۔ بالیان۔ کرٹے۔ چڑیاں۔

بچوں۔ نوٹے وغیرہ جتنے زیور ہوتے ہیں سب۔  
 روف۔ رات اور سب زیور گنا گنتین یہ چاندی کے ہوں گے نہ۔  
 بڑی بی۔ کیا میری لڑکی کی عزت لینا ہے چاندی کے بھی کمین ہلوگ ہیں  
 سکتے ہیں۔

روف۔ تو میں یکا یک اتنا زیور کہاں سے مہیا کر سکتا ہوں۔  
 بڑی بی۔ پھر مستی نہ کیجئے بھلا ہزاروں رنڈیوں میں میری لڑکی بغیر زیور کے  
 کسے جاسے گی۔

لڈن۔ یہ تو بڑی دقت ہوئی۔ مگر ذرا اب صاحب ادھر تشریف لائے (الگ سے)  
 جاکر خادم کے سمجھ میں ایک راسے آئی ہے اگر حضور بھی پسند فرمائیں تو  
 ٹھیک ہے۔

روف۔ کیا ہے بتاؤ تو میں بھی سنوں۔

لڈن۔ جناب ترکیب یہ ہے کہ کل اپنی والدہ کا کل زیور لٹا کر انھیں  
 دیکھنے جلسہ ہو جانے کے بعد پھر نے لیجئے گا۔

روف۔ مگر والدہ دینے بھی کیوں لگتیں

لڈن۔ اچھی یہ کون بڑی بات ہے بہانا کر دیکھئے گا۔ ورنہ اس کے بغیر تو مہ پارہ  
 کا وصل ناممکن ہے اگر نئے نئے لٹا کھوں چاہئیں۔

روف۔ واقعہ ترکیب تو خوب ہے مگر کیا بہانہ کروں میں نے تو آج تک ایسی  
 کوئی خواہش ہی والدہ سے نہیں کی۔

لڈن۔ اسے کہہ دیجئے گا کہ ایک دوست کی بیوی کسی قریب میں جانے والی ہیں  
 انھوں نے اپنا زیور صاف کرنے کو دیا تھا مگر ابھی تک سنار نے دیئے ہی نہیں  
 اس لیے ذرا اپنے سب زیور مجھے دیدیجئے تاکہ انھیں دیدوں۔

روف۔ خوب میان لڈن۔ بڑی دوس کی سوچتے ہوئے بڑے عقلمند ہو۔  
 لڈن۔ بندہ تو کسی قابل بھی نہیں مگر جناب کی عزت افزائی ہے دیکھئے کمین  
 میرا انعام نہ بھول جائیے گا۔

روف۔ اسے میان سب تمہارا ہی ہے ذرا اس جلسہ کو ختم ہو جانے دو تو میں

تین خوش کردون گا ابھی ذرا روپیہ بھی میرے پاس کم ہے شاید کچھ ضرورت پڑ جائے۔  
لڈن۔ اس کی پرواہ نہ کیجئے اگر لاکھ دو لاکھ کی ضرورت پڑے تو بندہ دلوانے کو تیار ہے۔

روٹ۔ اسکے کہنے کی کیا ضرورت ہے میں خوب جانتا ہوں۔ اچھا اب میں جاتا ہوں۔

یہ کمر روٹ چلا گیا۔ اور لڈن بینک پہنچے اور روپیہ لیکر پھر واپس آئے ۲ ۱/۲ ہزار خود لیکر ۲۲ ۱/۲ ہزار بڑی بی کو دے دیا اور کہا کہ دیکھئے یہ روپیہ میں نے مفت دلوا دیا ہے میں اب آپ کو نہ لینا چاہئے کیونکہ آئندہ پھر میں ہی کام آؤں گا۔

بڑی بی۔ (کچھ سوچ کر) اچھا ویہ ۲ ۱/۲ ہزار اور لو بس خوش ہو۔  
لڈن۔ بھلا میں ناراض کیا رہتا ہوں یہ کمر لڈن یہاں انتظام میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ تمام کمر روٹ صاحب آئے اور کہا کہ لڈن سب معاملہ طے ہو گیا۔  
کل سب زیورے آؤں گا۔ مگر پرسوں پھر واپس لے جاؤں گا۔

لڈن۔ بھائی یہاں کرنا ہی کیا ہے اسی طرح گپ شب کی باتیں ہوتے ہوئے رات زیادہ گزر گئی۔ روٹ بھر جانا مناسب نہ خیال کیا۔ اس لیے وہیں سو رہے اور صبح ہوتے ہی مکان پر چلے آئے مان نے پوچھا رات بھر کہاں رہے۔ کہا کہ وہیں کہ جہاں شادی ہونے والی ہے۔ انتظام میں بھنسا ہوا تھا پھر وہیں سو گیا اچھا اب اپنا زیورہ دیدیجئے پہلے تو کچھ پس و پیش کیا مگر پھر بعد کو اس کو ایماندار خیال کر کے اور یہ سوچ کر جتنا روپیہ چاہے بینک سے بھی نکلوا سکتا ہے زیورہ کی پوٹلی روٹ کو دیدی۔ اور سب زیورہ گنوا دیئے۔ روٹ کا باپ بڑا شوقین آدمی تھا۔ اپنی بیوی کے لیے بہترین زیورات لاتا تھا روٹ کی مان انکو اکثر استعمال کیا کرتی تھیں۔ مگر شوہر کے مرجانے سے پھر کہیں نہ پہنے اور یہ سوچا کہ حسینہ روٹ کی بیوی کے کام آجا دیجئے۔ مگر افسوس اس کو اس گھر کی کسی خبر نہ تھی غرض کہ روٹ زیورہ پاتے ہی فوراً وہاں سے روانہ ہو گیا۔ اور سب گننا لاکر لڈن کے

ساتھ بڑی بی بی کو دکھایا۔ اور کہا کہ صوفیہ رات بھر کے لیے ہیں۔ کل ہم کو واپس  
 کر دینا۔ پھر ہم تم کو اور بنو ادین کے۔ یا کچھ دفون بعد ہی تمہارے کام چا دیگے  
 بڑی بی بی نے کہا کہ بس بیٹا مجھے یہ دکھانا منظور تھا۔ کہ زندگیوں کہیں اس کی  
 طعنہ زنی نہ کریں کہ کیسے بچے کے ساتھ مسی ہوئی ہے کہ بدن پر گناہ تک نہیں  
 خیر کپ چل کر دیکھئے کھانا پاک رہا ہے اس کا انتظام کیجئے اور میں جا کر محفل کا  
 انتظام کر تا ہوں۔ غرض کہ دفون بھر میں سب کام ٹھیک ہو گیا۔ انواع و اقسام  
 کے مطاعم بھی طیار ہو گئے۔ شام ہوتے ہی لوگوں کو کھانا کھلانا شروع کر دیا  
 تاکہ جلد فرصت مل جائے۔ تاکہ تمام زندگیوں کو کھانا کھلا دیا جاوے اسی موقع  
 میں الانج گئے۔ اور جلسہ شروع ہو گیا۔ جلسہ کا انتظام کوٹھے پر کیا گیا تھا جسکی  
 وجہ سے عام آدمی نہ آجاسکتے تھے۔ بلکہ خاص خاص آدمی جو کہ دفون تھے جلسہ  
 کاہ حتی المقدور نوب آراستہ و پیراستہ کی گئی تھی۔ تمام چھاڑ و فالووس آؤز ان  
 تھے جنکے اندر برقی روشنی نہایت حسن و خوبی سے پہنچائی گئی تھی۔ نیز ظہیر کے  
 کمرے کے بھی بہت سے اشیاء تھیں۔ جو کہ تحفہ لائے گئیں تھیں۔ علاوہ  
 انکے اور بہت سا سامان آرائش اس محفل میں پایا جاتا تھا۔ ایک چڑی قاین  
 سنہ چار جانف شہر کی بہت مالدار اور مشہور امرا و زندیان بیٹھی ہوئی تھیں۔ اور  
 قاپڑین پر سہ پارہ روئی افروز تھیں اس کی خوبصورتی کو ہم کیونکر بیان کریں  
 اعلا درجہ کا سرخ پتھر کا سرخ پا کاسہ اور کرنا بہت ہی مہین ریشم کا جس سے  
 اندر سے سرخ ریشم کی چولی صاف دکھائی پڑتی تھی جو سپٹے کا انچل اسکے حسن کو  
 لاکھ چھپانا چاہتا تھا مگر سینہ کا ابھارا سکوہر بار گرد آتا تھا۔ زیورات روشنی میں  
 ہر سے کی طرح بھک رہے تھے دوسرے ان میں سے کئی ایک زیور جواہرات  
 مہر صاع بھی تھے مانگ کی نعلین کیونکہ لکھون بس معلوم ہوتا تھا کہ فرما دینے  
 بہار دفون کے درمیان کھو دکر دودھ کی نہر جاری کی گئی تھی۔ اس کی سرمہ گین  
 آنکھیں سرتاپہ تیر کا کام کر رہی تھیں۔

جسکو دکھانا سے کیا گھٹا  
 یہ تو بر بھی ہوئی نظر نہ ہوئی

غرض کہ ہم کہنا تک لکھنیں بالکل پرستان کی بڑی معلوم ہو رہی تھی۔ اسکے بعد  
بچے چاروں طرف جلسہ میں دیکھا مگر رؤف میان کے کوئی دوست ہم کو دکھائی  
نہیں پڑتے۔ مگر اس کا سبب کیا ہے آیا اس نے کسی کو مدعو نہیں کیا یا خود کا  
نہیں آئے۔ ارے وہ میان تو خود ہی نہیں دکھائی پڑتے۔

جلسہ شروع ہو گیا رنڈیاں فردا فردا اٹھتی ہیں اور گاتی ہیں انکی خوش الحانی  
پر حسب موقع مجلس و آفرین کے کلمات حاضرین کے منہ سے بیجا ختم نکل  
پڑتے ہیں۔ اسی اثنا میں ایک آدمی جلسہ میں آنے کی کوشش کر رہا ہے  
مگر دربان اسے بار پانی کی اجازت ہی نہیں دینا بلکہ بار بار دھکا دیکر الگ  
بٹھا دیتا ہے وہ دیکھنے غصہ ہو کر کچھ کہتا ہے۔

دربان۔ بس بس جناب خیریت اسی میں ہے کہ آپ فوراً یہاں سے تشریف لے جائیے  
آپ کے سے بہت نواب آتے ہیں۔

رؤف۔ اب میں تمہیں کس طرح یقین دلواؤں قسم کا بھی تم کو اعتبار نہیں۔  
دربان۔ ہو گا کارڈ پاس دکھائیے تو اندر جانیدون گا ورنہ ہرگز تم اندر  
نہیں جاسکتے

اس شخص کو دیکھ کر اور تمام آدمی جمع ہو گئے اتفاق سے لڈن بھی آگئے  
اور پوچھا کیا معاملہ ہے

دربان۔ ارے یہ میان جو کھڑے ہیں بیکار چھک چھک کر رہے ہیں۔

رؤف۔ یہ کیسا دربان ہے مجھے اندر جانے ہی نہیں دیتا۔  
لڈن۔ (رؤف کو دیکھ کر) کون ارے نواب صاحب آپ کہاں تھے۔  
(دربان سے) ارے تو نواب صاحب کو بھی نہیں پہچانتا بڑا نالائق ہے۔

دربان۔ میں کیا جانوں کہ یہ نواب رؤف صاحب ہیں۔  
لڈن۔ چلئے چلئے نواب صاحب چلیے معاف کیجئے اسنے آپ کو جانا نہیں  
ورنہ بھلا یہ مجال کہ روکتا۔ اصلیت ہے کہ بغیر پاس کارڈ کے کسی کو اندر  
جانے کی اجازت نہیں ورنہ آپ جانتے ہیں کہ کتنا رش ہو جائے۔

اس کے بعد رؤف کو ٹھے پر گیا وہاں بھی کسی نے بیٹھنے کو نہ کہا تھوڑی

جدید کھڑے رہنے کے بعد بڑی بیانی نے کہا کہ اسے بیٹا ادھر ادھر بیٹھ جاؤ  
کھڑے لیون ہو۔

زُور بیچارہ شرمندہ ہو کر بیٹھ گیا مگر اپنے دلمین خیال کرنے لگا  
کہ افسوس میری بڑی بے عزتی ہوئی۔ آہ ناظرین یہ صرف تھوڑی ہی دیر  
کا خیال خام تھا اگر زور کو اپنی عزت ہی کا خیال ہوتا تو عسیا شئی تھا  
کیونکہ کرتا۔

غرض کہ طوائفین بیٹھتے ہی روف کو بنانے لگیں کوئی چٹکی کا ٹنا شروع  
کرتی ہے کوئی گدگداتا ہے اسی طرح سب اسکوستانے لگیں۔ بیچارے روف  
کی جان مشکل میں پڑ گئی ہوتے ہوتے تین بج گئے سب نے مہ پارہ سے کہا  
کہ بس جا کر لیٹا رہو۔

چنانچہ مقررہ مکہ میں روف کے ساتھ شرماتی ہوئی چلی گئی ناظرین اب  
جو کیفیت صبح تک اسکے اندس ہوتی وہ بالکل ظاہر ہے یعنی روف نے اس  
سوے کو جسکے لیے اس نے ۵۰۰ روپے روپیہ عزت و شرافت خرچ کی تھی  
خرید لیا اور صبح کو خوشی خوشی اپنا منہ کالائے ہوئے باہر آیا اسلے بعد منہ ہاتھ  
دھو کر سچے ناشتہ کیا اور پھر گھر جانے لگا۔

روف۔ اب میں گھر جاتا ہوں وہ زور سب دیدہ سمجھے تاکہ اپنی مان کو  
دھو دنگا۔

بڑی بیانی سارے بیٹا دیکھواتے مہمان ٹرے ہیں ان کے سامنے اذکار کی  
تو یہ کیا کہیں گے لینے کو کون کھائے نہیں لیتا ہے سب کو چلا جائیدو  
کل پرسون بک لجا بین گئے۔

پھر زور چپ ہو گیا اور اپنے گھر چلا گیا۔ ادھر طوائفین بھی شام  
تک ایک ایک کمرے رخصت ہو گئیں بڑھیا نے سب کو ایک ایک جگہ پر بھیج  
کپڑا فرط محبت اور اظہار مسرت میں دیا۔



# میرھوان باب

## باب و بیسے کا پرزور مکالمہ

آج ہم اپنی پریشانی خاطر اُن سے

کنے جاتے ہیں تو ہین پر دیکھ لیا کہ ہین

دو باب گذر چکے لیکن پہنے ظہیر کا کچھ ذکر نہ کیا آپ صاحبان کو ضرور خیال ہو گا کہ نہیں معلوم ظہیر کس حال میں ہے سستے سر شمشیر کے خط کا جواب ظہیر نے اسی پتہ سے جو کہ اس نے لکھا تھا اسی دن دیدیا تھا مگر آج تک اس کا جواب نہ آیا حالانکہ آج کی روز ہو گئے اور بچاؤ ظہیر انتظار کی گھڑیاں کاٹتے کاٹتے تھک گیا۔ ہلکو بھی کچھ حال اس کا اندر بیان میں نہ معلوم ہو سکا۔ ظہیر صاحب کی بیٹیانی کا کیا کہنا دیوانے ہو رہے ہیں۔ ایک روز موقع سے ظہیر کی ماں نے وحید الدین سے اسکی شادی کی بات کہا اور سمجھا دیا کہ جو ہن لڑکے یا لڑکی کا بٹھال رکھنا اچھی بات نہیں اس لیے اس کی شادی اگر جلدی ہو جائے تو اچھی ہی بات ہے۔ وحید۔ ارے کہیں کوئی لڑکے کی ٹھیک سے تو کر دوں ورنہ جہان تم بتاؤ وہیں سہی۔

والدہ ظہیر۔ خود ظہیر کو بلا کر پچھئے اسکی رائے لینا بھی انسب ہے۔

وحید۔ لڑکے سے پوچھنا کون سی دانائی ہے جہان ہماری تمھاری اور چار آدمیوں کی رائے ہو وہیں بہتر ہے۔

والدہ ظہیر۔ یہ خوب سب کی رائے ہو مگر جسے عمر بھر اسی کے ساتھ ملاؤ گات کرنا ہے اسکی صلاح بھی نہ لی جاتے۔ میری رائے میں تو اس کی پسندیدگی

زیادہ ضروری ہے۔

وحید۔ اس کی رائے سے کیا ہوتا ہے اگر وہ کسی رنڈی کے ساتھ کہے تو بھی کر دو گی۔

والدہ ظہیر۔ یہ آپ کے کیسے خیالات ہیں۔ خصوصاً ظہیر جیسے لڑکے کی بابت۔  
وحید۔ اچھا کہیں تم بتاؤ تو پھر اس سے دریافت کریں گے کہ اسے منظور ہے یا نہیں۔

والدہ ظہیر۔ جہاں آپ کی مرضی ہو وہاں کیجئے مگر ذرا اسے بلائے تو۔

وحید نے لونڈی کو باہر ظہیر کے بلانے کے لیے بھیجا تھوڑی دیر میں ظہیر اپنی گردن پہنچی کیے ہوئے مودب آگیا اپنے باپ کے سامنے کھڑا ہو گیا مان نے پیار کے رے اسے اپنے پاس بٹھالیا اور کہا کہ بیٹا ماشاء اللہ سے تم جوان ہو دنیا میں موت و زندگی کا طرہ جریہ بھی زیادہ تر مقدم بات ہے کہ ہر ایک کی شادی ہوتی ہے اس لیے ہمیں بھی فکر ہے کہ اپنے بیٹے کی زندگی میں بھاری شادی کر دیں ورنہ شاید ہمارے بعد کیا ہو مختار سے باپ کہتے ہیں کہ جہاں تم کہو وہاں بات چیت لگائی جائے۔

ظہیر۔ واہ! مان یہ آپ نے اچھی کمی میں بھلا اسکے بابت کیا عرض کروں آپ خود ہی جانتی ہیں کہ شفیع نے آپ سے اس دن کیا کہا ہے اب مجھے دہرانے کی کیا ضرورت ہے۔

وحید۔ یہ کیسا شفیع نے کیا کہا ہے۔

والدہ ظہیر۔ شاید آپ نصیر خان کے بھائی اشیا ز الدین کو جانتے ہوں جنکی ایک لڑکی شمیمہ ہے بس اسی کے ساتھ۔

وحید۔ (غصہ ہو کر) تم بھی لونڈے کے کہنے میں آئی ہو اسی سے ایسی باتیں کر رہی تھیں بھلا اشیا ز الدین کے بیان شادی کیسے ہو سکتی ہے و اللہ اعلم کون قوم ہیں۔ دنیا مجھے کس نظر سے دیکھے گی۔

والدہ ظہیر۔ آپ اس قدر غصہ کیوں ہوتے ہیں آپ نے تو بات کرتے ہی رہا کاشلی۔



وحید چپ رہو۔ بس میں کچھ سنا نہیں چاہتا۔  
 ظہیر (دھیری آواز میں) تو پھر ناحق آپ نے مجھے صلاح دینے کے لیے بلایا تھا۔  
 وحید چپ سمجھتا کیا میں یہ جانتا تھا کہ تو تمام روسا کے گھر چھوڑ کر ایسے  
 نیچے لوگوں کے یہاں اپنی سسرال بنا کر میری عزت لینے کے لیے تیار ہے  
 ابھی حال ہی کا قصہ ہے کہ اسکے لڑکے کو ۲۰ برس کی سزا ہو چکی ہے۔  
 ظہیر۔ ابا جان گو آپ کے رو برو بے باک ہو کر گفتگو کرنا خلاف تہذیب ضرور ہے  
 مگر کیا کروں بغیر نوے زبان بھی نہیں رہتی۔ میں آپ سے کہتا ہوں کہ ایک  
 سیپ میں دو سوئی ہوتے ہیں ایک سلاطین کے سروں پر چڑھتا ہے دوسرا  
 کھل میں پیسکر جزو بدن ہو جاتا ہے۔ ایک پیڑ کے دو پھول ہوتے ہیں  
 ایک دلہا کے سرے میں گوندھا جاتا ہے دوسرا میت پر ڈالا جاتا ہے  
 ایک ہی موم سے دو شمعوں کی ساخت ہوتی ہے ایک بزم طرب میں منور  
 کی جاتی ہے ایک طفل عزائم فرزان ہوتی ہے۔ پس اگر خاندان میں ایک  
 بُرا نکل گیا تو کیا سب برے ہو گئے ہرگز نہیں۔

### رباعی

موجود ہنر ہوں ذات میں جسکی ہزار  
 بد زن نہ ہو عیب کمین اگر ہوں چار  
 طاؤس کے پائے زشت پہ کر کے نظر  
 کہ حسن و جمال کا نہ اس کے انکار

وحید۔ مگر تم کو یہ بھی معلوم ہے کہ ایک مجھلی تالاب کو گندہ کرتی ہے۔  
 ظہیر۔ بارہ مجھلی تالاب سے نکل ہی گئی۔ اب کیا ہے۔ اب تو تالاب  
 پاک ہو گیا۔

وحید۔ پس چپ میں ایسے گستاخ کلمات تیرے منہ سے نہیں سنا چکا  
 ہوں۔ خدا کی مار لیتی اولاد پر کہ جو باپ کے رو برو اس طرح آنکھیں ملا کر بات  
 کرتا ہے۔

ظہیر میرے دل سے .....  
 وحید۔ ریوی طرف مخاطب ہو کر (دیکھو بھئی اس کو خاموش کرو۔ ورنہ اس وقت اچانک ہو گا۔ مردود کی جان ہی لے لوں گا۔  
 ظہیر۔ موت ذمہ نہ لگی خدا کے ہاتھ ہے۔ اگر اس کو منظور ہے تو میں طیارہ ہوں مگر میں یہ ضرور کہوں گا کہ میں اس کے سواے اور کسی سے شادی نہ کروں گا۔  
 وحید۔ دیکھو ظہیر میں پھر کہتا ہوں کہ ہوش میں آؤ۔ باپ کے سامنے ہاتھ دھو کر گستاخ اور زبان دراز نہ ہو۔

ظہیر۔ ہوش کیسے یہ تو کب کے عجز سے رجعت ہو چکے۔ میں اپنی جان سے عاجز ہو گیا ہوں۔

وحید۔ میں ضرور دوسری جگہ تیری شادی کروں گا۔ دیکھو تو کیسے نہیں کرتا ہے۔

ظہیر۔ یہ بات دوسری ہے کہ آپ اس طرح سے مجھ کو پریشان کرتے ہیں۔ اگر آپ کو شادی سے میرا آرام و تسکین منظور ہے تو میری مرضی کے مطابق کیجئے۔ ورنہ کسی دوسری جگہ کا ہرگز ہرگز ارادہ نہ کریں گے گا۔

وحید۔ جا جا۔ میں ان گیدڑ بھکیوں کی پروا نہیں کرتا ہوں۔

ظہیر۔ (قدموں پر گہرے خدا کے واسطے میرے اوپر رحم کیجئے۔

وحید۔ ہرگز نہیں۔ جاؤ ورنہ میرے سامنے سے یہ لہر ٹھوکر سے اسے ہٹا دیتا ہے اور مان اٹھا کر پاس بیٹھ جاتی ہے اور روتے آتی ہے۔

وحید۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا دنیا میں شمیم سے زیادہ کوئی خوب صورت نہیں ہے کہ جو یہ میری عزت کے لیے پرآباد ہے۔

ظہیر خاموش اور روتا ہوا اپنے کاہ میں چلا آتا ہے اور وحید الدین فوراً ایک رقعہ شادی رُف کی والدہ کے پاس مشاطہ کے ذریعہ سے روانہ کرتا ہے کہ اگر ظہیر الدین کا عقد حسینہ کے ساتھ کر دیں تو بہت بہتر ہو گا اور جواب کا انتظار کرتا ہے۔ وحید ایسا ضدی آدمی تھا کہ جو بات دلیں سماتی تھی اسے یوں اہی کر کے چھوڑتا تھا۔ اس نے سوچا کہ فوراً ظہیر کی شادی حسینہ

کے ساتھ کہ دون۔ اس میں یہ فائدہ ہے کہ دو چار روز کے بعد غم غلط ہو جائے گا  
لیکن یہ سمجھا کہ ظہیر ہرگز کسی دوسری عورت سے شادی نہ کرے گا۔  
باہر آکر ظہیر عکلمین اور اس بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد شفیع آیا  
اور پوچھا کہ کیا جو کچھ نصیب دشمنان طبیعت علیل ہے۔

ظہیر نے نہیں بھائی رنجیدہ رہنا تو اب عمر بھر کے لیے ہمارے ساتھ ہے۔ قصہ  
یہ ہے کہ والد صاحب نے مجھے شادی کے بابت دریافت کیا اور میں نے اس کے  
جواب میں کہا کہ میں شمیم کے سوا کسی اور کے ساتھ ہرگز نہ شادی  
نہ کروں گا۔ حالانکہ میں نے حدودِ جوہر شادی کی لیکن ہائے ظالم باپ نے ایک  
دستی اور کہا کہ میں بہت جلد تیری شادی دوسری عورت کے ساتھ کر کے دیتا  
ہوں بھائی شفیع اب میں کیا کروں میں کچھ بھی اب نہیں کر سکتا۔ میں نہ رکھا  
سورہنا ہی بہتر خیال کرتا ہوں

شفیع یہ کیا لغو اور واسیات خیالات ہیں۔ مرنے سے کیا حاصل۔ کوئی اور  
ترکیب کی جائے گی۔ اچھا یہ بات بتاؤ کہ تمہارے والد نے تمہاری شادی  
کہاں بھرائی ہے۔

ظہیر۔ مجھ سے انھوں نے تو کچھ نہیں کہا۔ مگر میں نے خفیہ ذرائع سے معلوم  
کیا ہے کہ روف کی بہن حسینہ کے ساتھ۔ اس میں شک نہیں کہ وہ بھی بہت  
خوبصورت ہے۔ مگر میری نظروں میں جو شمیم ہے وہ اور کوئی نہیں ہو سکتا  
شفیع یہ حال سنکر ناموسش۔ اور بدیدہ ہو گیا، ظہیر نے دریافت  
کیا تم رنجیدہ کیوں ہو۔

شفیع۔ ظہیر تم سے ہم نے آج تک کوئی اور پوشیدہ نہیں کیا۔ مگر ایک بات  
مزدورنی ہے جو ہم نے تم کو آج تک نہیں بتائی۔ اس لیے تم میری خطا کو معاف  
کر دو۔ تم ضرور پوچھو کہ وہ کون سی بات ہے کہ جو میں نے تم سے چھپائی۔ لیکن  
مجھے کہتے ہوئے غیرت آتی ہے۔

ظہیر۔ تمہیں ضرور کہنا چاہیے۔ دوست سے اور شرم۔ تمہاری بھی کیا باتیں ہیں  
شفیع۔ ان اب تو میں ضرور کہہ دوں گا۔ کیونکہ اگر چھپانا ہی مقصود تھا تو تم سے

کہتا ہی کیوں۔

شفیعؒ تو تو بچرسن لو اصل بات یہ ہے کہ میں بچپن ہی سے حسینہ پر فریفتہ تھا۔ مگر تب کی محبت اور بھی ادراپ کی اور۔ اب وہ بھی جوان ہے اگر بچپن میں خوبصورت تھی تو جوانی نے اس میں اب چار چاند لگا دیے۔ آہ وہ بھی تجھے محبت کرتی تھی اور کرتی ہے۔ اسکی صورت مجھ کو اسقدر پیاری معلوم ہوتی ہے جیسے کہ شمیم کی تھو۔ بس اب تم خود بھی خیال کر سکتے ہو کہ میرے کہنے کا کیا مفہوم ہے۔ مشکل یہ ہے کہ اس کا بھائی رؤف اسدن سے جس دن کہ شمیم کی بوئے گل عصمت منتشر ہونے والی تھی مجھے حد درجہ بغض و عناد رکھتا ہے میری والدہ نے تمہاری والدہ سے پہلے ہی شادی کا پیغام دیا تھا۔ مگر رؤف کے بھڑکنے سے اس کی مان نے تجھے صاف جواب دیدیا۔ اب تم ہی بتاؤ کہ میں کیا کر سکتا ہوں اور میرا خیال ہے کہ وہ تمہارے ساتھ شادی کر دینے پر راضی ہو جائے گا۔

ظہیرؒ تم کچھ فکر نہ کرو۔ وہ راضی ہو جاوینگے۔ مگر میرا انکار اس سے شادی نہ ہونے کے لیے کافی ہے۔

شفیعؒ تمہارے انکار سے کیا ہوتا ہے۔ تمہارے باپ اور اس کی مان راضی ہو گئی تو بچہ کیا ہو سکتا ہے

ظہیرؒ میں اسدن کے لیے زندہ ہی نہ رہوں گا جس دن کہ حسینہ سے میری شادی ہو نیکی ہو۔

شفیعؒ کیا خدا کی قدرت ہے میں جس کے لیے دیوانہ ہو رہا ہوں وہ مجھے خواب میں بھی نہیں ملتی اور تم کو اس کی چاہ نہیں تو خواہ مخواہ گلے پڑتی ہے۔ ظہیرؒ دوست تم اطمینان رکھو۔ میں ہرگز تمہاری معشوقہ کے ساتھ شادی نہ کروں گا۔ مگر کوئی ترکیب ایسی سوچو کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی پر بھی کوئی ضرر نہ آئے۔

شفیعؒ ہاں ایک ترکیب میری سمجھ میں آتی ہے۔ مگر اس کا اظہار ایک خاص موقعہ پر کروں گا تجھے دیر ہوتی ہے۔ اس لیے کھ جا رہا ہوں ورنہ اس وقت بتا دینا۔

ظہیر۔ ان سنو تو۔ دیکھو بتاتے جاؤ۔ نہیں تو اچھا تہ ہوگا۔  
 شفیق بن قسم کھاتا ہوں کہ ضرور بتاؤں گا۔ اچھا سلام علیکم۔

## چودھواں باب نئے گرفتارانِ عشق و محبت

ہوئے ہیں پاؤں ہی پہلے بزرگ عشق بن زخمی  
 نہ بھاگا جائے ہے مجھے نہ ہڑا جاؤ مجھے

ایک خوشگمان کے باہری کمرہ میں ایک خوشنود جوان لڑکا تقریباً ۲۰ سال  
 عمر کا سبز صاف زریب سر کے ڈھیلی مہری کا یا کچھ نمبص راجکین پنہ چشمہ لگا  
 ایک کرسی پر بیٹھا ہوا کچھ سوچ سوچ کر ٹھنڈی ٹھنڈی سانسین لے رہا ہو  
 وہ دیکھنے کوئی کاغذ ہاتھ میں لیے پڑھ رہا ہے یہ یوانے تو اسے بڑھل کر  
 غصہ سے نوچ کر پھینک دیا نہیں معلوم اس میں کیا لکھا تھا۔ پھر ان بچھے ہوئے  
 ٹکڑوں کو چنکر آٹکھ سے لگایا اور باندھ کر اپنی جیب میں رکھ لیا۔ مگر یہ کیوں  
 کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ کاغذ رکھنے کے بعد اپنے اچکن اٹھا کر کھونٹی پر لٹکادی  
 اور چربائی پر لیٹ کر دل ہی دل میں کچھ باتیں کرتے لگا مگر تعجب یہ ہے کہ  
 کمرے میں لیٹنے کے بعد بھی اس نے اپنا صاف و چشمہ نہیں اتارا۔ اتنے میں  
 ایک اور لڑکا اس ہی کمرے کا آکر بیٹھ گیا گو قد میں اس سے بڑا نہیں مگر اسکا  
 سبزہ آغاز ہو چکا ہے تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد بولا کہ میان سلیم تم چپ چپ  
 کیوں رہتے ہو آخر اس کی وجہ کیا ہے۔

سلیم (ایک ٹھنڈی سانس لیکر) بس میرا حال کچھ نہ پوچھو کہ کیا سوچ رہا ہوں  
 کچھ بتانے کے قابل نہیں ہے۔

فقان میں آدین فریاد میں شیون میں نائے میں

سناؤں درد دل طاقت اگر ہوسنے والے میں  
وہی لڑکا۔ کچھ تو ضرور سوچ رہے ہو کیا میں اتنا بھی نہیں سمجھتا ہے

آدمی بچان لیتے ہیں قیافہ دیکھ کر  
خط کا مقبول بھانپ لیتے ہیں لفظ دیکھ کر

سلیم۔ ان خلیل تم سچ کہتے ہو معاملہ یہ ہے کہ آصف خان اپنی چھوٹی لڑکی  
زبیرہ کی شادی میرے ساتھ کرنا چاہتے ہیں میں اول تو انکا لوکر ہوں دوسرے  
پھر وہ بھی مجھے اپنے بیٹے کے برابر سمجھتے ہیں۔ بھلا بتاؤ کہ میں کیونکر انکار کر دلی  
خلیل۔ انکار کی وجہ اس میں عیب کیا ہے

سلیم۔ خرابی تو کچھ نہیں مگر میں نے تو عہد کر لیا ہے کہ کسی کے ساتھ شادی  
نہ کروں گا۔

خلیل۔ ایسے عہد اکثر لوگ کیا کرتے ہیں میان اگر اس کی صورت دیکھو تو سارا  
عہد ویساں بھول جاؤ۔

کیا ہے عہد تم نے اس سے شادی نہ کرنا  
زبان کچھ نہ کہے گا۔ جب اسکا سنا ہوگا

سلیم۔ نہیں میں نے ایسا عہد نہیں کیا جو کچھ دنوں کے بعد ٹوٹ جائے۔  
خلیل۔ مگر دوست سلیم دیکھو میرا کہنا مانو تو ضرور شادی کر لو پڑی قسمت

ورنہ بیسیوں نے خواہش کی مگر آصف خان نے کسی کے ساتھ منظور ہی نہیں  
کیا یہ کہتے کہتے خلیل بہت رنجیدہ ہو گیا

سلیم۔ کیوں بھائی تم رنجیدہ کیوں ہو گئے۔

خلیل۔ کیا بتاؤں میں بچپن ہی سے زبیرہ کی صورت پر دیوانہ ہوں مگر  
عجب تو یہ ہے کہ اسے میرا ذرا بھی خیال نہیں۔

کیوں جان دو۔ ہر ماہے دل کے لگانے والے

معتوق ہے دنیا میں اب کے زمانہ والے

سلیم۔ یہ کہو تو وہ تھاری نو۔ نظر پڑی بھلا پھر میں کس طے اس سے شادی  
کر سکتا ہوں ایک تو دوست کی معشوقہ دوسرے پھر میں نے جس سے عہد کیا ہے

وہ شادی ہو جانے کے بعد کیا کہے گی۔

خلیل۔ تو کیا تم نے کسی عورت سے عہد کیا ہے تو ضرور بتاؤ شاید کہ میں بھی کچھ تمہاری مدد کر سکوں۔

سلیم۔ میں بتاتا ہوں کیونکہ تمہیں بھی اپنا قصہ مجھے بیان کیا تھا مگر تم کچھ میری مدد نہیں کر سکتے۔ تو سو قصہ یہ ہے کہ میں عرصہ سے ایک لڑکی پر عاشق تھا اور وہ مجھ سے محبت کرتی تھی مگر کچھ ایسی ہیچمد گیا بڑے گنہگار کہ میری اس کی شادی نہ ہو سکی۔ افسوس تو زیادہ اس کا ہے کہ موت نے اسے اپنے آغوش محبت سے لے لیا۔ بس اسی دن سے میں نے بھی گھر چھوڑ دیا یہ مجھ سے اس سے وعدہ تھا کہ بس آپس کے علاوہ کسی سے شادی نہ کریں گے۔

خلیل۔ آہ سلیم میں نے بھی اپنے تئیں پرے کر لیا ہے کہ نہ بیدہ کے علاوہ کسی عورت کو اپنی بیوی نہ بناؤں گا حالانکہ یہ میں جانتا ہوں یہ بڑا ہی قبیح کام ہے عشق کا نتیجہ خراب ہوتا ہے دوسرے وہ آپ پر جان دیتی ہے میری طرف تو کبھی دیکھتی بھی نہیں۔

سلیم۔ مگر تم اطمینان رکھو کہ میں تمہاری نور نظر کے ساتھ ہرگز ہرگز شادی نہ کروں گا بلکہ جان تک ممکن ہو گا اس کو تمہارے ساتھ راضی کروں گا بس میرے دوست تم کچھ سوچ نہ کرو۔

خلیل۔ اچھا دوست دیکھو اسی عہد کی طرح اسے بھی رکھنا ایسا نہ ہو کہ بھول جاؤ۔

سلیم۔ ہرگز نہیں اس کے بعد خلیل اٹھ کر اپنے گھر چلا گیا سلیم بھی کھانا کھا کر اپنی چار پائی بیلٹ سو گیا۔ رات کو ۲ بجے کے قریب سلیم کے کمرے کا اندری دروازہ کھلا اور ایک سفید چادر اوڑھے ہوئے کمرے میں داخل ہوئی اور سلیم کا پیڑ پکڑ کر لہانے لگی۔

سلیم۔ (اچانک کمرے میں کون خلیل۔  
لڑکی۔ خلیل نہیں بلکہ ایک غمناک کینیز۔  
سلیم۔ کیسی کینیز کون ہو۔)

لڑکی گھبرائے نہیں مین ہی زبیدہ ہوں جسکے ساتھ آپ کی شادی ہونے والی ہے۔

سلیم۔ (اٹھکر بیٹھ گیا) میری شادی مجھے تو منظور ہی نہیں ہے شادی کیونکر ہو جائیگی۔

زبیدہ۔ ہائے پیارے سلیم جب سے تم کو دیکھا ہے بس دل قابو میں نہیں ہے دل لات پھاری ہی صورت آنکھوں کے سامنے پھر آکر تی ہے میرے والد تو کسی کے ساتھ شادی ہی نہ کرتے تھے مگر میری یہ حالت دیکھکر ان کو بھی رحم آگیا اور آپ کے ساتھ شادی کرنے پر تیار ہو گئے۔

سلیم۔ واہ ابھی زبردستی ہے جب میرا دل نہیں پسند کرتا۔ تو کیسے شادی کر لوں گا۔

زبیدہ۔ کیا تم کو یہ لازم ہے دنیا میں کسی عاشق کا بھی دل نہ توڑنا چاہئے ورنہ اس کا بڑا عذاب ہوتا ہے۔

سلیم۔ یہ سچ ہے مگر میں ابھی بھی تم کو قائل کر دوں گا کہ بہت سے لوگ اپنے عاشقوں کی طرف دیکھتے بھی نہیں۔

زبیدہ۔ شاید ایسا کوئی بھی نہ ہو گا۔

سلیم۔ کہو تو میں تمہیں ابھی بتا دوں۔

زبیدہ۔ ضرور بتاؤ مگر سلیم مین سچ کہتی ہوں کہ انکار نہ کرو ورنہ میری جان کسی سلامتی نہ سمجھو۔

سلیم۔ خدا بخواتیہ اگر تمہاری جان لگی تو بیچارہ خلیل بھی مر جائے گا۔

زبیدہ۔ (غصہ ہو کر) کون خلیل ایسے بہت سے ہوتے ہیں مین سچ کہتی ہوں کہ میرا دامن اب تم سے وابستہ ہے جہاں تم ہونگے وہیں میں بھی موجود ہوں گی سلیم۔ دیکھو کسی عاشق کا دل نہ توڑو بھلا جب تم کسی کو دکھ پہونچاؤ گی تو سمجھو کہ تمہیں بھی تکلیف کے سوا راحت نہیں حاصل ہو سکتی۔

زبیدہ۔ یہ دل کی بات اور میں کیسے خلیل سے مجھرتا کروں وہ تو تمہارے بے دیوانہ ہے اسوس شرم شرم۔ میں عورت ہو کر آپ سے ایسی باتیں کہہ رہی



ہوں مگر نہیں یہ عشق سب سے کہلواتا ہے۔ مگر پیارے سلیم اتنے ظالم نہ بیچے  
تو رحم کھاؤ مانا کہ تم خوبصورت ہو مجھ سے بیک وقت و بد صورت عورت کے ساتھ کیسے  
عقد کرو گے۔ مگر نہیں تم صرت میری جان ہی پر رحم کھا کر اپنی لونڈی بنا لو جو تمہاری  
نور نظر نے کی بین دن رات اس کی اور تمہاری دلوں کی خدمت کیا کرونگی  
مگر پیارے ہرگز انکار نہ کرنا۔

سلیم۔ دیکھو زبیدہ ہوش بین آؤ کیسی باتیں کر رہی ہو میرے ساتھ شادی  
کر کے بہت بچتاؤ گی۔

زبیدہ۔ یوں بھی سوائے بچتے کے اور کیا ہے۔

سلیم۔ نہیں میں نے ایک عورت سے عہد کیا تھا کہ اس کے علاوہ کسی دوسرے  
کے ساتھ شادی نہ کروں گا مگر وہ بیجاری خدا جنت نصیب کرے انتقال  
کر گئی بھلا تم ہی بتاؤ کہ میں کس طرح اپنا عہد توڑوں۔ مگر بان یہ بتاؤ کہ تم  
بیان کیوں آئیں کیا مجھے بدنام کرو گی۔

زبیدہ۔ نہیں نہیں میں جانتی ہوں صرت تمہیں سمجھانے آئی تھی تاکہ تم  
میرے باپ سے انکار نہ کرو مگر پیارے سلیم اگر خداوند کریم تم کو حسن کے  
ساتھ ہی رحم دل بھی دیتا تو بہت ہی اچھی بات تھی لیکن اس کے برخلاف  
تم بڑے ہی سخت دل ہو جو ایک عورت کی فریاد نہیں سنتے اسے قسمت اس کی  
جس سے تم کو محبت تھی۔

سلیم۔ زبیدہ میں ظالم یا بیدرد نہیں ہوں مگر ایسی ہی مجبوری ہے ورنہ ضرور  
تمہاری خواہش کو پوری کرتا اور شاید کسی وقت تمہیں معلوم بھی ہو جائے کہ  
کیا وجہ تھی جو میں تم سے شادی کے لیے نہیں راضی ہوتا ہوں۔ مگر اسے بیان  
کرنے کا یہ وقت نہیں اب تم جاؤ اور اگر میری خوشی چاہتی ہو تو بیچارے غلیل  
کے حال پر رحم کھاؤ اور اس سے شادی کر لو۔

زبیدہ۔ سلیم کیا باتیں کرتے ہو کرسی پر بیٹھنے والے کے لیے بھاؤڑا چاہنا ڈرا  
مشکل کام ہے ایسی طرح میرے لیے بھی یہ غیر ممکن ہے کہ تم کو چھوڑ کر غلیل سے  
شادی کروں ہرگز نہیں بس اب ایسی بات نہ کہنا میں جانتی ہوں مگر اتنا

انکار نہ کرنا۔ یہ کہکر زبیدہ خاموش کے ساتھ اندر جا کر اپنے پلنگ پر لیٹ رہی  
اور سوچنے لگی کہ اوف اوہ۔ سلیم کلنا پاکباز آدمی ہے مین صرف اسے آنکھ  
لگی تھی کہ دیکھوں اس کی نیت عام آدمیوں ہی کی طرح ہے یا نہیں مگر بیشک  
اس کا سا صاحب آدمی ملنا مشکل ہے اس نے ہاتھ لگانا تو درکنار کوئی ایسی  
بات بھی نہ کی جو محبت کی بور کہتی ہوتی۔ مگر اس سے کیا ہوا میری محبت اور بھی  
زور پکڑ گئی۔ اس کی صورت کتنی بھلی معلوم ہوئی ہے کیا وہ سچ ہی شادی  
نہ کرنے لگا دیکھو جو قسمت میں ہو اگر وہ راضی ہو گیا تو میں بہت جلد شادی  
ہو جانے کے بعد اس کا غم غلط کر دوں گی۔ لیکن اس کا راضی ہونا ہی تو مشکل  
ہے۔ ادھر تو زبیدہ لیٹے ہی لیٹے یہ خیال کر رہی ہے اور ادھر سلیم بیچارہ بھی برے  
چکر میں ہے کہ کیا کرے انکار کرنا بھی بیجا ہے اور شادی بھی نہیں کر سکتا  
پھر کیا کرنا چاہئے۔ اچھا خیر وہ دن آئے تو دیکھا جائے گا ابھی سے انکار  
بیجا ہے۔

## پندرھواں باب

### پتھر کی یاد دھوکا

یہ ہے احوال رنڈیوں کا بار  
ان کے کرتوت پر خدا کی مار

ناظرین کو بڑا اشتیاق ہو گا کہ مسی ہو جانے کے بعد سے پھر کچھ حال مبارہ  
دروں کا نہ معلوم ہوا۔ سنئے روٹ جو صبح کو گھرا آیا تو والدہ نے زور سے  
بابت پوچھا روٹ نے یہ کہکر ٹال دیا کہ ابھی وہ پلٹ کر نہیں آئیں اسکے  
بعد کھانا وغیرہ کھانی کر خوب ٹھٹھاٹ سے اپنے دوست ظہیر کے بیان ہو چکا  
شفیع و ظہیر پہلے ہی سے بیٹھے ہوئے کچھ باتیں کر رہے تھے روٹ کو دیکھکر

اسلام و علیکم کیا جناب کچھ ناراض ہیں۔  
 روف۔ و علیکم سلام جناب ناراضی کی وجہ یہی کیا۔ کچھ کہتے تھے تو کاٹا نہیں۔  
 شفیع۔ غلطی نہیں تو کچھ کیا کہ ہفتہ ہفتہ بھر غائب۔  
 ظہیر۔ اس کی شکایت نہ کرو۔ بچا رہے جلسہ کے انتظام میں رہے ہونگے ایک  
 مقدم کام کو چھوڑ کر بیان آنا کون فرض تھا۔  
 شفیع۔ اسے تو بھر جلسہ ہی میں پوچھ لیا ہوتا کیا دو ہی آدمیوں سے کھانا  
 یا جگہ گھٹ جانی۔

روف۔ (جلسہ کا نام سنکر جاہلیت عارفانہ سے) جناب جلسہ کیسے۔  
 شفیع (ہنسکر) واہ جناب یہ خوب اوٹ کی چوری اور جھکے جھکے ہندوستان  
 بھر میں تو نام ہو گیا ہمیں لوگ نہ جانتے۔  
 ظہیر۔ تعریف تو یہی ہے اب کیا انکار کے علاوہ اقرار کر سکتے ہیں۔  
 روف۔ (رجحہ بیکر) معاف کیجئے میں نے بیشک غلطی کی کہ آپ لوگوں کو  
 ایسے بڑے دوست ہوتے ہوئے بھی مدعو نہ کیا مگر اس میں فرق یہ خیال  
 تھا کہ آپ لوگ نامح مشفق بنکر تمام تشیب و فراز سمجھا کر میرے کام میں رخصت  
 انداز ہوئے گا۔

شفیع۔ اجی جناب جو پاسو کیجئے خدا نے صاحب جاگرواد کیا ہے سب جاگرواد  
 تو شاید انھیں کے نام لکھ دی ہوگی۔  
 روف۔ ہو گا اس جھگڑے کو بٹائیے اسی سے تو میں آتا نہیں تھا۔  
 ظہیر۔ (ہنسکر) تو بلائے کون گیا تھا۔  
 روف۔ اچھا خطا ہوئی معاف کیجئے اب کبھی خطا نہ ہوگی۔

شفیع۔ دیکھو روف ناراض ہو اہلوگ تمہارے ہی فائدے کے ساتھ ہیں  
 نہ کہ کچھ تم سے طلب کرتے ہیں۔ ماننا نہ ماننا تمہارا کام ہے سمجھنا ہمارا۔  
 ظہیر۔ مگر مجھے تعجب ہے کہ تم اس قدر بڑھے لکھے ہوئے کچھ بھی اس کو چہ یا شی  
 میں در آنا چلے گئے یہ یاد رکھنا کہ گھر کا ایک ایک برتن تک یک جائیں گے۔  
 روف۔ ایسی کچی گولی نہیں پھیلے۔ دینا کیسا میں خود ہی اس سے لے روں گا۔

ظہیر۔ اگر ایسا تھا تو پھر یہ ۵۵ ہزار روپیہ کیوں دیا تھا۔  
 رؤف۔ واہ۔ اگر آج میری بیاہتا بیوی کوئی جلسہ کرتی تو کیا میں اسے  
 ۵۵ پیسہ نہ دیتا دوسرے وہ بھی تو نکاح پڑھانے کے لیے راضی ہے۔  
 میرے ادھر تو بیان سے مرنے لگی ہے اگر ایک دن نہ جاؤں تو شکایتوں کے  
 دفتر کھول کر رکھ دیتی ہے۔

شفیع۔ یہ بات ہے۔ اگر ایسے ہی عقل پر پردے پڑے ہیں تو پھر کیا نکاح  
 پڑھا لیجئے۔ مگر ان اتنا ضرور یاد رکھنا کہ وہ کبھی بے وفائی کے علاوہ وفا  
 نہ کرے گی۔

ظہیر۔ اور ساتھ ہی ساتھ تمہیں بھی جان ہی دیتے بنے گی۔  
 رؤف۔ خیر یہ اپنی اپنی سمجھ ہے۔

یہ کہہ کر رؤف کچھ کشیدہ خاطر ہو کر بیان سے گھر چلا گیا اور ہم بچے کے  
 قریب خوب ہنسنے لگے۔ چوک کی راہ لی اور سیدھا مہارہ کے کمرے پر پہنچا  
 مہارہ نے دیکھتے ہی کہا کہ بڑے بے مروت۔ طوطا چشم ہو اگر تم کو چھوٹے  
 محبت ہوتی تو بھلا چین پڑ سکتی تھی میں تو دن بھر ماہی کے آب کی طرح  
 تڑپا کی۔

رؤف۔ پیاری میرا بھی یہی حال تھا جو تم اپنی کیفیت بیان کرتی ہو لیکن اگر  
 گھر نہ جاتا تو والدہ صاحبہ مشکوک ہو جاتیں۔

مہارہ۔ مگر اس طرح کب تک کام چلے گا یہاں کوئی دوسرا آشنا تو ہے نہیں  
 جو اس سے دل بہلایا کر دن صرف تم ہی ہو اور تمہارا یہ ہے تو میری تو زندگی  
 محال ہو جائے گی۔

اتنے میں لڑنے و بڑی بی بی بھی رؤف کو مبارکباد دیتی ہوئی ایک طرف  
 آکر بیٹھ گئیں بڑی بی بی نے پاندان کھول کر پاں لگائے اور سب کو دیے اسکے  
 بعد پولین سے بیٹا آج تنخواہ کے بابت طے ہو جانا چاہیے۔

رؤف۔ ہاں ہاں ضرور میان لڑن آپ ہی ٹھیک کر دیجئے۔  
 مہارہ (دبانو کی محبت کی نظروں سے رؤف کی طرف دیکھ کر) امان تنخواہ کا

طے ہونا کیسا تمہیں اپنے خرچ بھر کا ملجایا کرے گا مجھے کچھ ضرورت نہیں میں تو نکاح ہی پڑھاؤں گی۔  
 بڑی بی۔ ارے واہ لڑکی۔ میں نے جو تجھے عمر بھر بالاپوسا تو کیا اس دن کے واسطے۔

روفت۔ نہیں۔ جو آپ کئے ہیں دینے کو تیار ہوں۔ کیون جی لڈن ٹھیک ہے نہ؟

لڈن۔ اس کی بابت تو بڑی بی ہی کو اختیار ہے۔  
 مس پارہ۔ اسکل حق اماں کو نہیں بلکہ مجھے ہے میرا جو دل چاہے گا سو کرونگی  
 بڑی بی۔ ارے واہ تو اب صاحب کیا میری لڑکی پر ہا دو کر دیا ہے مگر  
 یہ سمجھ لیجئے کہ میں بغیر تنخواہ لیے ہرگز اسے آپ سے نہ ملنے دوں گی۔  
 روفت۔ نہیں اس کی ضرورت نہیں جو آپ کئے ہیں تنخواہ دینے کو حاضر ہوں۔

بڑی بی۔ ۴ ہزار روپیہ ماہوار اور پانچ سو ان کا خرچ الگ سے۔  
 لڈن۔ (قطع کلام کر کے) کیا تو اب صاحب کو بیوقوف سمجھ لیا ہے (روفت سے)  
 ہرگز ہرگز اتنا نہ دیکھے گا۔  
 مس پارہ۔ اچھا تو ناراض نہ ہوتے اماں اسوقت غصہ میں ہیں میں منالونگی  
 (بڑی بی کے گلے میں ہاتھ ڈال کر) دیکھو اماں میں تم ۱۰ ہزار روپیہ ماہوار لے لیا  
 کرنا جو تو اب صاحب بھی ہمیشہ دے سکیں۔

بڑی بی۔ اری ناخلف لڑکی اب تو جو تو نے کی ہے لونگی مگر یہ سمجھ لے کہ  
 تو نے مجھے بڑھاپے میں بڑا دکھ دیا۔

لڈن۔ ہاں اگر آپ کو منظور ہو تو ٹھیک ہے ورنہ جانے دیجئے۔  
 روفت۔ بیچارہ! ہزار سے بھی کم کتنا چاہتا تھا مگر اب مس پارہ کی بات  
 کیونکر ٹالتا۔ جبراً راضی ہو گیا اور کہا کہ اچھا میں کل ۱۰۰ ہزار روپیہ لادونگا  
 اور پانچ سو کا خرچ بھی دیدوں گا مگر اب میں جاتا ہوں انشاء اللہ کل ہی  
 آؤں گا۔

مہ پارہ - وہ انواب صاحب اب چلے کہا ان رات کو یہیں رہنا پڑے گا۔  
 رؤف - بھلا میں رات کو یہاں کیسے رہ سکتا ہوں۔  
 بڑی بی - ارے تو جلتے دے تو کیوں روکتی ہے۔

مہ پارہ - میں تو ہرگز نہ جا۔ نہ دھڑکی یہ بھی کوئی بات ہے مگر میں کچھ بہانا  
 کر دینا مجھے رات کو اکیلے ڈر لگتا ہے۔

یہ کہہ کر مہ پارہ نے رؤف کو دامن کیڑ لیا اور نہ بٹا گئی اب بھلا رؤف کی  
 کیا مجال تھی جو چلے جاتے۔ پہلے ہی اسے اس کے تیر خزان کے شکار سے  
 رات کو نیند کو تیار ہو گئے تھوڑ سا کھانا بڑی بی نے لاکر رکھا اسے رؤف  
 و مہ پارہ نے تناول کیا کھانے سے فراغت ہاتے ہی بڑی بی بان نیکر آئیں  
 اور لٹکان سے اشاروں ہی اشاروں میں کچھ لیا۔ لٹکان صاحب تو سلام کر کے  
 چلے گئے بڑی بی بھی دروازہ بند کر کے اپنے بستر پر لیٹ رہیں اور اوپر  
 بہت دیر و مہ پارہ بھی اپنے دامن کی حسرتیں نکالنے میں مصروف ہو گئے  
 باقی رات بھر کمال بھین بھین معلوم ہوا اتنا بھین بھین بتایا تھا کہ مہ پارہ  
 نے سوئے وقت سارا زور اور رؤف کو دہرایا تھا تاکہ اپنے گھر لیتے  
 جائے گا۔

صبح ہوتے ہی بڑی بی واقعہ چاتی ہوئی مہ پارہ کے کمرہ کے دروازے  
 دوڑیں کہ باہرے میں لٹ گئی اب کیا کروں گی۔ رؤف وغیرہ کی بھی انکھ اسی  
 گپ شب میں کھل گئی۔ پوچھا کہ کیا ہوا بڑی بی نے نہ کر جواب دیا کہ  
 چوری ہو گئی۔ میری ساری عمر بھر کی کمائی لٹ گئی چوری کا نام سن کر رؤف  
 نے اپنے زوروں کی طرف دیکھا مگر وہ بھی غالباً سمجھے اب کیا تھا مہ پارہ  
 بھی رونے لگی۔ غنیمت کہ بھر میں کہرام مچ گیا ہوتا ہوتا پولیس کو بھی خبر  
 ہو گئی اور تھانے دار کو تو اسی سب کے نسب آ کر دروازے پر مستعد ہو گئے  
 لٹا نا بھی یہ خبر سن کر آ گئے اور رؤف نے پیچھے میں تھمت کر لی۔

پولیس نے معائنہ کیا معلوم ہوا کہ یہ نہ باہر زور و زاری کی نہ بی  
 اثر تھی سب اور باقی دروازے تو چھینے ہی تھے۔ ان کے علاوہ کچھ معلوم

نہ ہو سکا جب سب لوگ چپ ہو کر بیٹھ رہے تو کو تو ال صاحب نے پوچھا۔  
کو تو ال۔ کیوں تمہارا کپڑا ال گیا ہے۔  
بڑھیا۔ بس جو کچھ تھا سب چلا گیا اسے میرے توڑ بھر کی کمانی لٹ گئی  
(رو کر)۔

کو تو ال۔ جو اس نے سمجھا لو۔ ڈرو نہیں مرنے کا ہمارا بتاؤ کر کیا لگیا۔  
بڑھیا۔ اسے صاحب۔ کتنی تو ہوں کہ لاکھ روپیہ کے نوٹ اور حقوڑا زیور  
بائس تین تھا اسکے علاوہ لاکھ کے قریب کا زیور نواب صاحب کا تھا جو اس  
کے مین رکھا تھا۔

کو تو ال۔ (رکھ کر) تھا اسے یہاں کون آتا تھا۔  
بڑھیا۔ بی۔ لیون تو میرے یہاں سوا نواب صاحب دلہان کے کوئی نہیں  
آتا مگر پوسون جیسے تھا ابھی لوگ یہاں آئے تھے مین کس کس کو کمانک  
بتاؤ گی۔

کو تو ال۔ بھلا تم کو کسی پر شک بھی ہے تم  
بڑھیا۔ مین میرے پر شک۔ اگر دن لٹن لو گھر کے آدمی مین، نواب صاحب  
ضرور سے ہیں مگر مین انھیں بھی کچھ نہیں کہتی۔  
کو تو ال پولیس سے تمام بیانات نوٹ کر لیٹ اور تحقیق شروع کر دی  
تحتقر قصہ یہ کہ کو تو ال کو روٹ میان ہی کے ادھر شک ہو اس نے سوچا  
کہ یہ اسی کا کام ہے۔ مگر بارہ بجے ایسا کہہ سکتی ہے مگر یہ گرفتار کرنے سے کیا  
ملے گا اس لیے روٹ ہی گھبراؤ تا کہ وہ حوالہ دے۔ یا اور بی بی سے کہا  
کہ آپ گھبراؤ نہیں اب وہ نہ جانے جا تا تو بڑے بلدی چور اور ہتھیار لگے جائے گا  
کہ کہ پولیس واسے تو پہلے۔ اب لندن وغیرہ مین باہر ضرور ہوں مین  
لٹن۔ یہ تو معاملہ ٹھیک نہ ہوا۔ گو ہمارا سب کام ہوشیاری کے ساتھ ہو گیا  
اور کسی کو شک تک نہ ہوا۔ مگر روف صاحب کا انداز ہونا ٹھیک نہیں ہے۔  
بڑھیا۔ بی۔ ہاں ضرور نہ ہو۔ ہی نہ ہو گئے۔  
لٹن۔ مگر جب تک گھر سے برتن نہ لے گیا اب تک تو کچھ کام ہی نہ کیا۔

پڑی بی۔ پھر اب کیا جو سکتا ہے پولیس کا معاملہ ہے کمین ایسا نہ ہو کہ الٹی اسٹین کے پڑیں۔

مہ بارہ۔ دیکھو امان خوب سمجھ سوچ کر کام کرنا زیادہ لالچ برابھوتا ہے اس طرح بعض وقت انسان کو بچا دکھاتی ہے اور پھر اسے دست افشوس ملنا پڑتا ہے مجھے اس وقت ایک حریف لالچی مہاجن کا قصہ یاد آگیا جو میں نے اپنے بچپن میں سنا تھا۔

لڈن۔ کیا قصہ ہے کہو تو ذرا میں بھی سنوں۔

مہ بارہ۔ یوسن لوہ پڑانے وقت میں کوئی مہاجن تھا جو شہر کے کنارے پر رہتا تھا۔ کسی غریب آدمی نے ۴۰ روپیہ امانت اس کے پاس رکھ کر کہا تھا کہ مجھے جب ضرورت ہوگی میں نے لون گا۔ مہاجن نے کہا کہ جب تم تیار اچھی چاہے تو یہ بھی تمہارا ہی گھر ہے۔ اس کے بعد مہاجن نے وہ روپیہ اپنے خزانے میں شامل کر دیا جو کہ زیادہ تر ایسی ہی رقموں سے پر تھا۔ کچھ عرصے کے بعد وہ آدمی پھر آیا اور اپنے روپیوں کی درخواست کی مگر مہاجن نے پوچھا کہ تم کیوں یہ مان آئے اور کون ہو۔ اس نے کہا کہ مجھے وہ روپیہ دے دیجئے۔ اس نے کہا کہ کیسا روپیہ اور کسے دیا تھا۔ غرض کہ اس نے روپیہ نہ دیا اور وہ غریب بن گیا ہوا بادشاہ وقت کے دربار میں پہنچا اور فریاد کی کہ میری مدد کرے بادشاہ نے کہا کہ جب تمہارا گواہ نہیں تو میں کس طرح تمہارا روپیہ دلا سکتا ہوں یہ سن کر غریب پلٹنے لگا تو بادشاہ کی بیوی نے کہا کہ بھراؤ شخص میں تیرا روپیہ دلا دوں گی تو شخص ۱۲ بجے دن کو کل اسی مہاجن کے مکان پر جا کر تقاضہ کرنا پس پھر دیکھ لینا۔

دوسرے دن شہزادی نے مردانہ شاہی لباس پہن کر جنگل کا راستہ لیا مہاجن کے گھر پہنچ کر پانی کی خواہش ظاہر کی اس نے تھوڑا پانی لاکر پلا یا اس کے بعد شہزادی نے مہاجن سے کہا کہ میں شاہ چین کا لڑکا ہوں اپنے آپ کو ناراض ہو کر نہ اپنے دو باؤں کو گروں کے ساتھ یہاں بھاگے آیا ہوں یہاں تک تھوڑی ہی دور جنگل میں میرا خیمہ پڑا ہے میرے ساتھ ۱۲ لاکھ روپیہ ہیں



ڈاکوؤں کے ڈر کے مارے میں انھیں جنگل میں نہیں رکھنا چاہتا۔ اگر تم راضی ہو تو میں یہیں لاکر رکھ دوں جب میں جا ہوں گا تب لے لوں گا اور تم کو بھی اچھا خاصہ انعام دوں گا۔ مہاجن نے کہا کہ میں ہر طرح تیار ہوں یہ بھی حضور ہی کا کھڑے شوق سے لاکر میرے خزانے میں رکھ دیجئے ابھی معاذ اللہ نے اتنا ہی کہا تھا کہ وہ آدمی آگیا اور کہا کہ ذرا میرے وہ ہزار روپیہ جو میں رکھ گیا تھا دیدیجئے۔ مہاجن نے دلمین کہا کہ کس پرے وقت بکھت آیا ہے اب اگر روپیہ میں دیتا ہوں تو یہ بلوہ کرے گا اور ۲۵ لاکھ اشرافیاں جو ملنے والی ہیں پھر ہاتھ نہ لگین گی۔ مگر یہ تو ۴۰۰ کے بجائے ۶۰۰ اور زیادہ مانگتا ہے لیکن خیر ۶۰۰ کو جانیدو تو ۲ لاکھ مل بھی جائیں گے۔ یہ خیال کر کے وہ اندر خزانے میں گیا اور ۱۰۰۰ کی تھیلی ہاتھ میں لٹکائے ہوئے باہر آیا اور اسے دے کر کہا کہ بھیا پنا گن لو کم تو نہیں ہے۔ وہ تھیلی پاتے ہی جلا گیا اور ادھر مہاجن نے کہا کہ کس وہ اشرافیاں لاکر رکھ دیجئے۔ شاہزادی نے کہا کہ تم کتنے بیوقوف مہاجن ہو پھلا گیا میں مزدور ہوں جو ابھی لے آؤں۔ ہاں اب میں جاتا ہوں اور شام تک اپنے نوکر وں پر لروں والاؤں گا۔ مہاجن نے کہا خیر شام ہی تک سہی۔ اس کے بعد شاہزادی چلی گئی اور مہاجن شام تو شام ہی۔ یہ رات بھر آسرا دیکھا کیا مگر وہ چڑیا تو فرضی بھی کہاں پھنس سکتی تھی آخر کار فیسوس کر کے بچھڑ گیا اور کہا کہ اگر میں لالچ میں نہ آتا تو بھلا یہ ۶۰۰ کھر سے کیوں جاتے۔

یہ کہہ کر منہ پارہ نے کہا کہ دیکھئے کمین ایسا ہی قلعہ نہ ہو۔ ۲ لاکھ ہر ہفتین لڑن۔ تم کچھ ہونتمین کیا سمجھ ہے یہاں ایسے سیکڑوں پھائے اور نکال دیئے۔

پڑی بی۔ اچھا پھر تو کوئی ترکیب کرو۔

لڑن۔ (منہ پارہ سے) تم کو تو ایسا ہو۔ اور کو تو ایسا صاحب سے کہو کہ یہ کہاں تھا انصاف ہے کہ جس کی چوری ہو وہی پکڑا جائے لہذا فوراً نواب صاحب کو چھوڑ دیجئے ورنہ میں وینچی کشن صاحب سے کہوں گی۔ یقین تو ہے کہ کو تو ایسا رعبد میں انکر چھوڑ دے ورنہ کچھ رشور شدہ مگر کام نکالنا چاہیئے۔

مہ پارہ۔ اچھا میں ابھی جاتی ہوں مجھے ۵۰ روپیہ دیدو۔  
لڑائی۔ خوب ڈیٹ کر بات کرنا تمھاری صورت سے ضرور کو تو ال صاحب  
ڈھیلے پڑ جائیں گے اور دیکھو اگر روٹ چھٹ جائے تو کہنا کہ ۵۰ ہزار روپیہ  
میں نے کو تو ال کو دیا ہے تب تمھاری رہائی ہوئی ہے۔

اسی عرصہ میں مہ پارہ نے عذرہ پو شاک ریب تن کی اور بن ٹھن کر ایک  
کرا یہ کی ٹمن پر بیٹھ کر کو تو ال کی پوجی اور کو تو ان سے کہا کہ جناب آپ نے لؤاب  
صاحب کو کس بنا پر گرفتار کیا ہے۔

کو تو ال۔ بہکو شک ہے کہ یہ انھیں کا کام ہے اس لیے مجھے گرفتار کیا۔  
مہ پارہ۔ دنیا کا خون سفید ہو گیا ہے کیا غضب ہے کہ میرا ہی مال جاے اور  
میرا ہی شوہر گرفتار ہو۔ مجھے اپنا مکمل شک نہیں ہے یہ سمجھ لیجئے کہ آخر میں  
آپ ہی کو ذمہ دار ہونا پڑے گا۔

کو تو ال۔ تو کیا آپ کا مطلب ہے کہ میں بغیر جانچ نہ پھوڑ دوں۔  
مہ پارہ۔ آپ کو چھوڑنا ہی پڑے گا۔ میں نے سوچا کہ پہلے آپ سے کدورن ورنہ  
آپ شکایت نہ کیجئے۔ میں تو سیدھی اب ڈپٹی کمشنر کے پاس جاتی ہوں۔ اگر اب  
نہیں تو تب چھوڑنا پڑے گا دیہ کمکر مہ پارہ پاشی

کو تو ال۔ تو آپ ناراض لیون ہوتی ہیں آپ ہی کے فائدے کا ساتھی تھا اگر  
آپ کو گران گذرتا ہے تو لیجئے میں ابھی چھوڑے، دیتا ہوں۔

مہ پارہ۔ نہیں مجھے ایسا فائدہ نہیں منظور ہے آپ براے مہربانی فوراً  
انھیں حراست سے چھوڑ دیجئے۔

اسے بعد کو تو ال نے فوراً ایک سپاہی سے کمکر روٹ کو حوالات سے راکڑا  
میان شرماتے ہوئے فتن پر ہتھکڑی لگا دیئے ناظرین غور کیجئے کہ روٹ کو کیسی ذلت  
نصیب ہوئی خواہ اس کا مال گیا اور اسی ہی کو حوالات میں بھی رہنا پڑا۔ آہ یہ  
رنڈی بابری کی منزل کا پہلا سفر ہے آگے دیکھئے کہ کیا ہوتا ہے۔ غرض کہ روٹ  
پیشمان و حجل مہ پارہ سے باتیں کرتا ہوا جا رہا تھا کہ راستے میں لڑن بھی آئے  
اور وہ بھی فتن پر بیٹھ گئے اور یوں سلسلہ کلام شروع ہوا۔

لڈن۔ کیون بھلا مہ پارہ اگر سیٹھ ہماری لعل اسوقت روپیہ نہ دیتے تو بھلا  
کیون کر کام چلتا۔

مہ پارہ۔ ارے میں اپنی جان بیچ کر لاتی۔ مگر ہاں ہر ایک تو اسقدر جلدی کہی  
۵۰ ہزار روپیہ نہ دیتا۔

رؤف۔ کیا کچھ رشوت بھی دینی پڑی۔

لڈن۔ واہ جناب واہ بھلا پولیس اور بغیر رشوت چھوڑ دے ایسا اپنے  
باپ سے لے لے تب کی سند ہے۔

مہ پارہ۔ بھلا ۵۰ ہزار کی کیا حیثیت ہے جان بڑی چیز ہے وہاں تمام کلینین  
پونچھی اور بدنامی بھی ہوتی اب تو لوگ جانیں گے بھی نہیں

رؤف۔ ہاں کی تو تم نے عقلمندی جان ہے تو جہاں ہے۔ عزت تو بچ گئی۔  
راوی۔ کیوں نہیں عزت تو بچا کر ہی بیچ گئی۔

اتنے میں گھرا گیا بڑی دیر نہ گزرتی تھی اور چٹ چٹ بلائیں لینے  
لگیں۔ اور کہا کہ مجھے اتنا افسوس تھا کہ بیوی تیار نہ ہوئی مگر بھیا میں تو لٹ گئی  
بس اب آپ ہی مدد دیجئے تو کام چلے۔ رؤف نے کہا کہ اچھا میں گھر جاتا ہوں  
اور ابھی روپیہ کا بندہ رہتا کہ تیرا ہوں۔

لڈن۔ وہ ۵۰ ہزار روپیہ ہمارا ہے کو بھی دیر کیجئے گا ورنہ سو در سو در بھتا  
ہی جائے گا۔

—————

## سوا طہوان باب

### والدہ کی ندامت کی

خوشی سے اپنی سوانی گوارا نہیں سکتی  
گر بیان پھاڑنا ہے تنگ جب دیوانہ تار

سہارہ کے یہاں کی چوری کوئی معمولی بات نہ تھی صبح سے کچھ ہی دیر بعد اسکی خبر سارے شہر بھر میں پھیل گئی۔ ظہیر و شفیع نے جوتا تو فوراً نکال دیا اور اصلیت دریافت کرنے کے لیے چوک گئے وہاں معلوم ہوا کہ روف صاحب حوالات میں مقیم ہیں یہ سنکر روف کے حواس غائب ہو گئے اور اپنے پاؤں پھر کر روف کی والدہ کے پاس پہنچے۔

ظہیر۔ جناب کچھ روف میان کا حال بھی معلوم ہوا۔  
 روف کی والدہ۔ کیوں بیٹا خیر تو ہے کل تو وہ رات کو بھی نہیں آیا۔  
 ظہیر۔ اچی حوالات میں بند ہیں۔

والدہ روف۔ (یہ سنتے ہی زمین پر گر پڑی اور گھبرائی ہوئی آواز میں چھپا کرے بیٹا کیوں حوالات جانے کی وجہ۔  
 شفیع۔ عیب غشی کرنے کا نتیجہ۔

والدہ روف۔ ارے تو کیا میرا بیٹا عیاشی ہو گیا وہ تو ایسا نہ تھا۔  
 ظہیر۔ اب تو ہے ہمارے لوگوں نے بڑی کوشش کی کہ اس کام سے باز آوے مگر وہ کلب مانتے والے تھے۔

والدہ روف۔ تو آخر بیٹا حوالات کیوں ہوئی۔  
 ظہیر۔ کیا روف آپ کے زیور لے گیا تھا۔

والدہ روف۔ ہاں بیٹا وہ میرے سب زیور لے گیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ ایک دوست کی بیوی نے مانگے ہیں۔

ظہیر۔ یہی زیور تو حوالات لیجانے کے باعث ہیں رنڈی نے سب زیور غائب کر دیے اور اپنا بھی رویہ وغیرہ غائب کر کے کہہ دیا کہ چوری ہو گئی۔  
 والدہ روف۔ (اتنا سنکر بیہوش ہو گئی) ہوش آنے پر کہا کہ بیٹا پھر جاؤ کسی طرح انھیں میان کو چھڑا لاؤ۔

شفیع۔ بہت اچھا ہم لوگ جاتے ہیں آپ گھبرا ئے نہیں۔ انشاء اللہ ابھی نہیں لائے ہیں۔

والدہ روف۔ کیسے خبر کروں انھیں عورت بھی گئی اور تمام۔ زیور بھی گئے

اب میں کسی طرف کی نہ رہی کسی کو کیا منہ دکھاؤنگی۔  
اس کے بعد شفیع و ظہیر کو توالی کی طرف چلے ابھی جا ہی رہے تھے کہ رُوف  
میان مل گئے۔

ظہیر۔ کچھ میاں رُوف خیریت تو ہے۔  
رُوف۔ (منہ ہناکر) ہاں ہاں آپ لوگ کہاں جا رہے ہیں۔

شفیع۔ آپ ہی کو حالات سے لانے جا رہے تھے۔  
رُوف (حالات کا نام سن کر سمجھا کہ یہ سب ممانہ جہان گئے) اچی تو میں حالات  
کیوں جانے لگا خض چوری کی راورٹ لکھوانے کو توالی گیا تھا۔  
شفیع۔ ارے بے خدا تنا تو جھوٹ نہ بول بھوگ۔ سب جانتے ہیں میاں  
یہ عیسیٰ ہے ابھی تو حالات ہی گئے تھے مارا بھی کاسے پانی ہی کی توبت  
آؤنگی۔

رُوف۔ جیسے کہ جناب اسکی محبت تو دیکھئے کہ خود ہی بیچاری جا کر ٹھہر لالہ۔  
ظہیر۔ تم بوقوت ہو مگر انا ماننا یہ بھی اس کی جال ہے۔  
اس کے بعد یہ لوگ باتیں کرتے رُوف کے گھر پہنچ گئے۔ رُوف کی ماں نے  
دوڑ کر اسے فرط محبت سے اپنے گلے لگا لیا اور تو یہ ہونہار ہے اور شفیع میاں  
گھر کے ہر طرف نظر دوڑا رہے ہیں کہ شاید حسینہ کی صبریت دیکھ ملے مگر کہیں

پتہ نہیں تو۔  
والدہ رُوف۔ (روتے ہوئے) بیٹا سارے خاندان کی عزت تنے برباد کی  
بھلا یہ شریفوں کے شیوہ ہیں

رُوف۔ (دھیری آواز سے) جو ہونا تھا ہو گیا۔  
والدہ رُوف۔ اب بھی باز آویہ حرکتیں چھوڑ دو دنیا تم کو کیا کے گی۔  
رُوف کی آنکھ کا پانی اتنا ڈھل چکا تھا کہ اتنا معاملہ ہو جانے پر بھی اسے  
شرم نہ آئی اور اپنی ماں سے کہا کہ اسوقت مجھے ۶۰ ہزار روپیہ کی سخت ضرورت  
ہے میں قرضہ نہ رہوں۔ بد مذہب۔ بھڑا آئندہ ایسی حرکتیں چھوڑ دوں گا۔  
والدہ رُوف۔ میں روپیہ تمکو ہرگز نہ دوں گی۔ رنڈی باز کو روپیہ دینا گویا

سوکھے ہوئے پودے میں پانی چھوڑ کر اس کو سبز کرنا ہے۔  
 رُوف۔ دیکھو اگر تم نے روپیہ نہ دیا تو میں آج ہی سے اس گھر کو اوداع  
 کرتا ہوں اور کبھی پھر کبھی صورت نہ دیکھ پاؤں گی۔  
 مان کی محبت تو ظاہر ہی ہے بھلا اتنا سنگڑا سے کہاں سے چین پڑتا۔  
 کہا کہ جاؤ جو روپیہ بینک میں جمع ہے لیلو مگر کچھ آئندہ میں ایسی باتیں  
 نہ سنوں۔

رُوف۔ وہ روپیہ تو میں چلے ہی خرچ کر چکا۔  
 والدہ رُوف۔ (غصہ ہو کر) جاؤ نا سندرہ میرے سامنے سے دور ہو بکثرت  
 ۸۰ ہزار روپیہ سب ہرباد کر دیا اور کچھ بچھے اور مانگتا ہے سارا زلیو بھی  
 تو نے کھو دیا ہوتا تو آج حسینہ کی شادی ہی میں کام آتا۔ اب مجھے سب زلیو  
 بھی بنوا بیٹے کا جالس میرے سامنے سے چلا جائیں ہرگز تیری صورت نہیں  
 دیکھنا چاہتی اتنا کہا اور رونے لگی شفیع و ظہیر اسے سمجھانے لگے اور رُوف  
 غصہ ہو کر باہر چلا گیا۔

ظہیر بس یہ آپ نے اچھا کیا جو اسے روپیہ نہیں دیئے ورنہ ہرگز وہ اپنی  
 ناشائستہ حرکتوں سے بعض نہ آتا۔ اور اب آپ تھوڑے ہی دنوں کے بعد  
 دیکھئے گا کہ خود آپ کی خوشامد کرے گا۔

والدہ رُوف۔ بے اب تم اس کا نام میرے سامنے نہ لو۔ میں سمجھوں گی کہ تم  
 ہی میری اولاد ہو مجھے اب بیٹا ہی لگنے دن بے صرف حسینہ کی شادی کروان  
 پھر تم دونوں آرام سے رہنا۔

شفیع۔ مان آج حسینہ کہاں ہیں کیا کینڈن لٹی ہیں۔  
 والدہ رُوف۔ نہیں بیٹا وہ تو اب مجھے بیٹھی ہے کیا تمہیں نہیں معلوم کہ اسکی  
 شادی ہوئی ہو والی ہے۔

شفیع (تجاہل عارفانہ سے) کس کے ساتھ۔  
 والدہ رُوف۔ ہمارے دوست ظہیر کے ساتھ۔  
 شفیع۔ (جھوٹی ہنسی ہنس کر) مبارک ہو۔

والدہ رؤف۔ ہاں بیٹا مجھے جلدی ہے تاکہ میری آنکھوں کے سامنے یہ کام ہو جائے موت زندگی کا کیا اعتبار آج ہوں کل نہیں۔ اگر مر گئی تو حسینہ کی شہی ہی خراب ہوئی۔  
ظہیر جلو جی شفیق جلو۔ مجھے دیر ہوتی ہے۔

## ستر صوان باب

### رندی کی بیوفائی

ہم کو ان سے وفا کی تھی اُمید  
جو نہیں جانتے وفا کیا ہے

رؤف گھر سے چلا تو سیدھا بینک پہنچا اور جو کچھ روپیہ وہاں تھا سب لے کر مہ پارہ کے بیان گیا۔ وہاں کچھ اور ہی مضمون نظر آیا دیکھا کہ سیدھا جی بی مہ پارہ کے بغل میں بیٹھے ہوئے اختلاط کر رہے ہیں۔ بڑی بی والدہ بھی بیٹھے ہیں رؤف یہ سین دیکھ کر ہلکا یا کہ یہ سیدھا جی کہاں سے نازل ہوئے۔ لڑن نے کچھ اشارہ کیا مہاجن تو یہ کہہ کر کہ کل آؤں گا جلدیے اور رؤف نے تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد کہا کہ میان لڑن بڑا غضب ہو گیا امان جان کو سب حال معلوم ہو گیا میں نے جو روپیہ مانگا تو بڑی لمبی خبر لی اور بار بیٹ کر گھر سے نکال دیا اب میں کیا کروں کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔  
لڑن۔ میں کیا بتاؤں۔

بڑی بی۔ تم سببیتی تو۔ وہ یہ ہی کی ہے اگر روپیہ نہیں تو اپنے گھر کی راہ لیجئے۔ ابھی ابھی جو مہاجن یہاں بیٹھا تھا ڈیڑھ ہزار دینے کو تیار تھا میں تو راضی تھی مگر مہ پارہ نے کہا کہ ایک سے زبان دے چکی ہوں یہ بات ٹھیک نہیں۔

روشن۔ دغصہ ہو کر اسے تو اپنی تنخواہ ہی لیٹھے گا یا اور کچھ رہے کہ کمرہ انہار کا ٹوٹ بڑی بی کے سامنے پھینک دیا۔

بڑی بی۔ (ٹوٹ اٹھاتے ہوئے) نواب صاحب مارا تو نہ ہوئے گا میرے حواس آجکل درست نہیں ہیں جو بھلا سب چلا گیا۔

روشن۔ اسے تو کیا میرا نقصان نہیں ہوا۔

بڑی بی۔ آپ رئیس آدمی ہیں آپ کے لیے ۲ لاکھ کیا چیز ہے میں طریب ہوں مجھے پھر کہاں نصیب ہوگا۔

لڈن۔ تو کیا نواب صاحب کے یہاں مفت کا آتا ہے۔  
بڑی بی۔ اچھا حیرت منہ پارہ تو آج سے آپ کی نوکر ہو گئیں۔ مگر صاحب کے روسپیہ کی بابت آپ کیا کہتے ہیں (منہ پارہ سے) کل جو سیٹھ جی آدین تو صاف جواب دیدینا۔ اور جاؤ اب کھانا لاکر ان کو کھلاؤ۔

لڈن۔ اس روسپیہ سے آپ کو کیا مطلب پہنچے لیا ہے اور ہم ہی دین گے۔  
بڑی بی۔ اچھی بات ہے۔

اتنے میں منہ پارہ کھانا لائی اور سب لوگوں نے کھا یا اس کے بعد بڑی بی ولڈن تو چلے گئے بلکہ سو بھی گئے مگر منہ پارہ و روشن اب آپ کچھ دھیرے دیکھ باتیں کر رہے ہیں ذرا سنا چاہئے۔

منہ پارہ۔ میری زبان بھی جہت لالچی ہیں آج اس صاحب نے ہی کے ساتھ ملے کیے دینی چھپیں وہ تو کموین نے بڑا زور دیا تو مانیں۔

روشن۔ مگر دیکھو اپنی دان کا طرح تم بھی اس مصیبت کی حالت میں نہ پلٹ جانا جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے۔

یہ بختی میں کب کوئی کسی کا ساتھ دیتا ہے

کہ تاریکی میں سایہ بھی دلا رہتا ہے انسان سے

منہ پارہ۔ ہرگز نہیں میں بھلا اب جیتے ہی تم کو چھوڑ سکتی ہوں۔ ہاں امان اگر ضرورتی کرے گی تو مجبوری ہوگی کیونکہ وہ بڑی لالچی ہیں ورنہ یہ کہ کسی دن قطع قلع کر دیں۔



روٹ بچر کیا ترکیب کروں میری تو کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتا مہاجن کے ۵۰ ہزار  
اگ دینا ہیں ورنہ اور زیادہ ہو جائیگا۔

مہ پارہ۔ میں کیا بتاؤں مجھے دیکھو کہ ایک کیل تک میری ناک میں نہیں لگ کر کیا  
کروں تھواری عبت کی وجہ سے برداشت کرنا پڑتا ہے اب تم مجھے اپنے گھر  
ہی میں لیجی کر رکھو۔

روٹ۔ ارے میں خود ہی نکالا ہوا ہوں۔ تم کو کمان رکھوں۔  
مہ پارہ۔ تو کچھ بھلا یہ تجھ کو فرمہ کمان سے ادا کرو گے۔  
روٹ۔ یہی تو تم سے لے چھتا ہوں میرے پاس صرف اتنے روپیہ کے نوٹ  
اور ہیں۔

مہ پارہ۔ تو یہ تم کو دیدو۔

روٹ۔ لیلو تھو ارے یہ میرے یہ صدقہ ہیں۔

مہ پارہ۔ جیسا میں رکھتا ہوں اسے ناب جا کر بھرت کر دیتے ہو مگر ناراض تو نہیں ہو  
روٹ۔ ناراضگی کا ہے کی عین خوشی کا باعث ہوا۔

مہ پارہ۔ بھری اندر کھا رہا ہوں ان تکلیفوں کی باعث ہیں۔

روٹ۔ ان کے درد کو تو ابھی تو اہم سے بردہ کی۔

مہ پارہ۔ جہاں تک میری توجہ ہو گی وہاں تک کام کا

مہ پارہ۔ میں تو دن رات وہاں کوئی کام کر رہا ہوں کہ جہاں مگر جو ان کو موت  
آتی ہے ان پر ہیوان کو اس قدر دلتا ہوں کہ وہ چھتے۔

روٹ۔ تو زبردستی مارا جاوے گا۔

مہ پارہ۔ میرا تو جی چاہتا ہے۔ اپنی جان بڑبڑاؤں (روٹ کو لپٹا کر)

اور تم بھی راجی مان کا بڑا سہرا دیو میں نے یہ یہ بیٹھی لیجائے۔

روٹ۔ رپتہ دیکھ لکھو یہ رات میں پتہ نہ لگتا کہ وہی آویا مذاق سے۔

مہ پارہ۔ میرے تو دل پر ہم سے نہ یوں بات کی جی نہیں ہے۔

روٹ۔ اچھا تو کیا ایسا ہے کہ میں گھر میں گھر کیسے جاؤں کوئی ترکیب بتاؤ۔

مہ پارہ۔ کہاں جانا ہے کہ وہاں پر گھر ہے اور معافی مانگنا اور کہنا کہ بس

میری ماں اب میری خطاؤں کو معاف کر دیجئے اس کے علاوہ پھر ۸ دن تک سو اگھر کے اوپر کہیں جانا بھی نہیں خصوصاً میری طرف تو بھول کر بھی نہ آنا کیونکہ اگر کوئی دیکھ لے گا تو کہہ دے گا اس کے بعد ایک دن موقع پا کر زہر بلا دینا اور پھر میں بھی اپنی ماں کا کام تمام کر دوں گی بس پھر گھر ہی میں چل کر آرام سے رہیں گے۔

عقل کے اندھے رؤف کو یہ ترکیب کیا معلوم ہوئی گو یا پار میں پتھر مل گیا کہ جس قدر چاہے سونا بنائے۔ اس نے سوچا کہ اس کے علاوہ اور کوئی تکلیف رفع کرنے کی ترکیب ہی نہیں اس سے فائدہ یہ ہے کہ گھر میں اپنی حکومت ہو جائے گی اور دہر مہ پارہ بھی اپنی ماں کو مار ڈالے گی بیشک مہ پارہ مجھے محبت کرتی ہے اف اوہ میرے لیے اپنی ماں تک کو زہر دینے کے لیے تیار ہے تو مجھے بھی کچھ برواہ نہ کرنا چاہئے بلکہ فوراً جا کر اس کام میں مداخلت کرنا چاہیگا ہے اور اس میں ہرج ہی کیا ہے اس نے بھی تو گھر سے نکال دیا۔ اگر ذرا بھی اسے میری محبت ہوئی تو بھلا ایسا کیوں کرتی۔ انھیں خیالات میں نیند آگئی اور سو گیا صبح کو اٹھتے ہی فوراً باہر گیا اور بڑی دقت سے تھوڑا زہر ملا حل لے آیا آدھا مہ پارہ کو دیا اور باقی اپنی جیب میں رکھ لیا اور کہا کہ بس اب انشاء اللہ اس کا کام تمام ہی کر کے آؤں گا مہ پارہ نے کہا کہ جب تم آؤ گے خدا نے چاہا تو مجھے اکیلا ہی پاؤ گے۔

اس کے بعد رؤف سید گھر گیا اور گڑ گڑا کر کہا کہ میری ماں مجھے معاف کر دو میں نے بڑا قصور کیا مگر اب تو بہ کرتا ہوں۔

ماں۔ (رحم کھا کر) اگر بیٹیا تو اپنی حرکتوں سے باز آ گیا تو میری گود میں بیٹھو

میں وہی پتری ماں اور تو وہی میرا بیٹا ہے مگر دیکھو اب ہرگز اس راستہ میں قدم نہ رکھنا۔

رؤف۔ ہرگز نہیں۔

ماں۔ بیٹیا حسینہ کی شادی کا سب سامان درست ہو چکا ہے اگلے جمعہ کے روز نکاح بھی ہو گا۔

رؤف۔ تو کیا ناپ و غیرہ بھی نہ ہوگا۔  
 مان۔ مطلق نہیں سب رسومات شرعی ہوں گے۔  
 رؤف۔ اچھا ہے جو آپ کی مرضی ہو اگر کچھ سامان نہ ٹھیک ہوا ہو تو کئے  
 یہ خادم اسکا انتظام کرے۔

مان۔ سامان تو سب ٹھیک ہے صرف کپڑے سلوانے ہیں اور زور کا انتظام  
 کرنا ہے سو زور تو بازار سے بنے بنائے خرید کر لیے جا دیں گے مگر کپڑے  
 سلواو۔ اچھا آؤ اب کھانا کھا لو تم بھوکے ہو گئے ہیں کبھی کل سے مختار  
 رنج میں کھانا نہیں کھایا تھا جب سے تم گھر سے چلے گئے تھے بس جو حالت  
 میری تھی خدا جانتا ہے میں کیا کہوں یہ کمکر رؤف سے لپٹ گئی اور رونے لگی  
 پھر کھانا لاکر اسے کھلایا اور خود بھی تھوڑا بہت کھایا ناظرین ملاحظہ فرمائیے  
 کہ مان نے پیٹے کے ساتھ کیا سلوک کیے دنیا میں اس سے زیادہ دوسرا کیا  
 کر سکتا ہے مگر ذرا اس ناخلف اولاد کو دیکھئے جو اسی مان کو زہر دیکر مار دینے  
 کے لیے اپنے دل میں ٹھانے ہے۔ اس سے زیادہ عبرت ناک بات کیا ہو سکتی  
 ہے۔ کیا آپ لوگ خیال کرتے ہیں کہ وہ اپنی بیاری مان کو جس نے اسے پال کر  
 کر اتنا بڑا کیا نہ ہر دے دیکھا؟ مان کچھ تعجب نہ سمجھئے یہ عیاشی ایسی چیز ہے  
 کہ جو انسان نہ کر سیکھے وہی کم ہے۔ عورت کی محبت میں پھنسکر اپنی ساری  
 طاقت کھو بیٹھتے ہیں ایک اسے ایک رئیس اپنی جان و مال کو اس کی بیٹھی ٹھٹی  
 باتوں کے عوض دے ڈالتے ہیں پھر ایک رؤف کے سے بیوقوف دوستوں  
 کی صلاح پر نہ چلنے سیدھی راہ بتانے واسطے کو الٹی راہ بتانے والا سمجھکر  
 یہ کرنا بیٹھنا کون بڑی بات ہے۔ اور طوائفوں پر جان دینے اور ان کی بیچی  
 محبت کے دم بھرنے والوں کو دیکھو آئندہ کیا ہوتا ہے ابھی تو صرف مان  
 ہی کو زہر دینے کا ارادہ ہے۔

# اکھاڑتھوان باب

## حیرت و جدائی

ہلا ہی کر شرم ہو اس جو رخ شگ کا  
آج اس سے ملا کر کے نکلا کرے چائے لکڑیا

عرصہ سے ہم نے سلیم و زبیدہ کی خبر نہیں لی واللہ اعلم اور کیا قصہ ہے  
سلیم کو آصف خان نے زبیدہ کے ساتھ شادی کرنے پر مجبور کیا تو سلیم کو  
بھی انکار نہ کرتے بنا اور شادی کرنے پر راضی ہو گیا۔

خلیل نے جس وقت یہ سنا کہ سلیم زبیدہ کے ساتھ شادی کرنے پر  
راضی ہے۔ تو اس نے خیال کیا کہ بس اب یہاں رہنا ٹھیک نہیں ایک سلیم بی کا  
آسرا تھا وہ بڑی دوستی کا دم بھرتا تھا۔ مگر اب وہ بھی پھر گیا اور میرے خلاف  
وعدہ زبیدہ سے شادی کر رہا ہے جس کے لیے میری جان جاتی ہے سچ ہے دنیا  
میں کچھ نہیں سب اپنے مطالب کے ساتھ ہی ہین پاسے زبیدہ پیاری زبیدہ تو نے  
اس دن سے اپنی شکل بھی نہ دکھائی۔ مگر جتنے نیاپا۔ واہ تو تو سلیم پر مری ہے  
جھکوکب خیال میں لا سکتی ہے۔

ادین ہوگا جگہ بھر جری اسی بہت لین گی مگر زبیدہ نہیں خلیل تو کیا کرے  
ہے زبیدہ کی بھی دوری کو رہتا کہ ان میرے خیال میں تو وہی دوری  
خدا نے پیدا ہی نہیں کی۔ یا خدا کو ان سے بات کہیں ہے جو میرے دل کو بھاگتی  
دیکھنے میں وہ بھی معمولی عورتوں کی طرح ہے مگر خیر ہو خیر وہ اب مجھ سے اپنی جان  
دیدینا چاہئے۔ لیکن یہ میں نہیں حرام موت نہ نا بھی ٹھیک نہیں اس لیے  
پھر کیا کروں۔ یہ ٹھیک ہے اس شہر ہی کو چھوڑ دوں اور کسی جگہ جا کر اپنی  
زندگی بسر کروں مگر کیا زبیدہ وہاں نہ یاد آئے گی نہیں۔ یہی وہی اور وہی  
بلکہ مر جانے کے بعد بھی وہی میرے خیال میں بسی رہے گی۔ بھلا کیوں نہ زبیدہ

تجھے بھی میری یاد آئیگی؟ کبھی نہیں معشوق بڑے بے وفادار سخت دل ہوتا ہے  
دوسرے بترے دل میں سلیم کے علاوہ دوسرے کی محبت ہی نہیں۔ مگر ہوتا تو  
میں تو عمر بھر تیری ہی یاد کا وظیفہ اڑھا کروں گا۔

تھواری یاد دیتے جی نہ میرے جی سے جاگی  
جو جانیگی تو بعد از مرگ میرے ساتھ جانیگی

جا اب میری نکاہوں کے سامنے سے چلی جا اور میرے قصور کو معاف کر دے  
میں آج ہی سے اس شہر کو عمر بھر کے لیے چھوڑے دیتا ہوں بلکہ تجھ سی پیاری  
کو بھی وداع کرتا ہوں۔ تاکہ سلیم کی شادی تیرے ساتھ ہوتے نہ دیکھ سکوں  
ورنہ شاید حسد کی آگ دل میں ابھر کر اٹھے اور تیرے معشوق کو کچھ صدمہ  
ہو چکر تیرے دل کو بھی رنج ہوا نہیں خیالات میں محو خلیل اٹھا اپنے سرٹ  
پٹنے اور کچھ نقد رقم لیکر اسٹیشن کی طرف روانہ ہو کر کمین چل دیا اب اس کا  
حال تو ہمیں نہیں معلوم مگر دیکھنا چاہئے کہ سلیم کیا رہا ہے سلیم بھی اپنے  
کمرے میں بیٹھا دل ہی دل میں کہہ رہا ہے کہ خلیل تم بھی دو دن سے نہیں  
آئے کیا ناراض ہو گئے؟ کمین سمجھتا ہے تو نہیں سمجھا کر میں سچ ہی زبیدہ کے  
ساتھ شادی کر لوں گا۔ میرے خیال میں ضرور تم نے بیٹھی سوچا ورنہ  
میان سے چلے جانے کی کیا وجہ ہے اسے بھلا مجھ سے چلتے وقت مل تو لیتے  
آہ محبت تیرا ہوتا تو نے سیکڑوں گھر تباہ و برباد کر دیے۔ ہزاروں آوارہ  
وطن تیری ہی وجہ سے جنگوں کی خاک چھان رہے ہیں رخیل پیارے دوست  
خلیل تو بھی زبیدہ ہی کی چاہ میں کمین بیٹھا ہو گا۔ افسوس میں نے بہت  
سمجھا یا مگر زبیدہ کے دل میں تیرا مطلق خیال نہ آیا۔ اس کا معاوضہ اسے  
ضرور ملے گا۔ کسی عاشق کو ستانا اچھا نہیں ہے۔

اوہ تو سلیم یہ خیالات اپنے دل میں دوڑا رہا ہے۔ ذرا اندر دیکھے  
کیا ہو رہا ہے ایک پینک پر زبیدہ اس کی کئی ایک سہیلیاں بھیجی ہوئی  
ہنسی مذاق کر رہی ہیں۔  
ایک سہیلی۔ تو بہن زبیدہ اب کیا ہے سلیم کا سادو لھا پاؤ گی قسمت ہو تو

بھاری ایسی۔

دوسرے۔ ارے کون بڑا خوبصورت ہے۔

نربیدہ (جھلا کر) بھاری بنا ہے۔

تیسری۔ دیکھو فاطمہ کیون انکے میان کو برا بھلا کہتی ہو۔ انھیں اچھا نہیں معلوم دیتا۔

نربیدہ۔ دیکھو بہن کشتوم یہ مجھے کتنا بنا رہی ہیں بھلا وہ بدصورت ہے یا خوبصورت مگر ان کو کیا کرنا ہے کیا ان کا بھی دل اس سے شادی کرنے کو چاہتا ہے۔

فاطمہ۔ ارے تو میں نے کیا کہا تھا۔ اچھا تو وہ بڑا ہی خوبصورت ہے چاندین دھبہ ہے مگر اس میں کہیں کچھ بھی نہیں۔

تیسری (ہنس کر) یہ کچھ بھی نہیں کے کیا مئے۔

فاطمہ۔ یعنی کچھ بھی میل نہیں۔ ذرا دیکھا یہ کہتی ہیں کہ میں بھی اس سے شادی کروں گی بھلا فوج میں کیون کرنے لگی۔

نربیدہ۔ یہ منہ اور یو دینے کی چٹنی۔ نصیب تو ہو۔

کشتوم۔ ارے بہن تو سلیم بن عیب ہی کیا ہے میں نے تو ایسا سیدھا آدمی ہی نہیں دیکھا۔

فاطمہ۔ ہاں یہ بات تو ٹھیک ہے۔ ہاں کل جیسے شہتیر ہوتی ہے۔

نربیدہ۔ ابابین بیان سے ملی جاتی ہوں خوب مذاق کر لو۔

فاطمہ۔ (دامن پکڑ کر) کہیں جاتے نہ دیا ہو کیا دلگی ہے کل رات بھر تو مجھے کرو گی۔ ہلو گون کو پوچھو گی بھی نہیں۔

نربیدہ۔ جی چاہے تو رات کو وہیں چلی آنا کوئی ہرج نہیں ہے۔

کشتوم۔ بہت نہ ہنسو، زیادہ ہنسی اکثر رونے سے تبدیل ہو جاتی ہے۔

نربیدہ۔ ہاں آج میری باہن آنکھ بھی پھڑک رہی ہے نہیں معلوم کیا بات ہے۔

فاطمہ۔ ارے یہ یو این پھڑکا کرتی ہے۔

زہیدہ۔ نہیں بہن یہ جب پھر کتنی ہے تو ضرور مجھے ایک نہ ایک رنج اٹھانا پڑتا ہے۔ خیر ہو گا جانیدہ جاؤ امیدی جا کر ذرا باہر سلیم کو کھانا تو کھلاؤ  
 سلیم کا نام لیکر وہ کچھ نہ مانگی اور سب کی سب ہنسنے لگیں  
 سلیم کھانے سے فراغت پا کر سو گیا دوسرے روز اٹھا اور منہ ہاتھ  
 دھو کر کچھ سوچنے لگا آج سلیم روز کے بہ نسبت کچھ بشاش نظر آتا ہے نہیں معلوم  
 کیا بات ہے شاید زہیدہ کے ساتھ شادی ہوئی خوشی ہے مگر وہ تو جبراً کر رہا  
 ہے خوشی کا کیا سبب کیا وہ کچھلی معشوقہ کا وعدہ بھول گیا۔

سلیم اٹھ کر بازار گیا اور درزی کے یہاں سے کچھ سلعے ہوئے کپڑے لاکر  
 ایک رومال بنانے لگا اور درزی کے پاس کے بعد کاغذ و قلم دوات لیکر کچھ لکھنے  
 لگا اور بعد کو وہی لکھا ہوا کاغذ تکیہ کے نیچے رکھ دیا اس کے بعد سو رہا شام  
 کو اٹھا اب سب مہمان جنکو کہ آصف خان نے مدعو کیا تھا آگئے اور قہوڑی  
 دیر کے بعد نکاح ہو نیوالا تھا کہ سلیم اپنے کمرے سے پیشاب کے بہانے  
 باہر گیا۔ لوگ انتظار دیکھا کہ مگر سلیم پلٹ کر نہ آیا۔ آصف خان کو بڑی  
 تشویش تھی کہ سلیم کہاں چلا گیا اس نے بازاروں اور ادھر ادھر آدمیوں کے  
 ذریعے سے سلیم کو تلاش بھی کرایا مگر اس کا پتہ نہ لگا کہ نہ مین کھا گئی یا  
 آسمان جب ڈھوٹے ڈھوٹے حیران ہو گئے تو بیٹھ رہے اتفاق سے ایک  
 آدمی نے سلیم کا تکیہ جو بٹایا تو وہی خط پایا جو سلیم لکھ کر رکھ گیا تھا آصف  
 خان نے اسے پڑھنا شروع کیا اور پڑھتے ہی پڑھتے اس کی حالت ابتر  
 ہوتی گئی آخر کو بیہوش ہو کر گر پڑا۔ لوگوں نے کیوڑہ وغیرہ چھڑکا تو ہوش  
 آیا تب اس نے کہا۔

آصف خان! آہ میرے چاندو! یہ اس سلیم کا خط ہے اس کا مضمون  
 سن لو۔ (یہ کہہ کر پڑھنے لگا)

مکرمی جناب آصف خان صبح سلیم  
 خادم کی وجہ سے جناب کو بڑی محنتیں پڑیں  
 شست کرنا پڑیں حالانکہ یہ

آپ کی ذات سے بڑا آرام اٹھایا مگر پھر آپ کو رنج پہنچانے کا باعث ہوا۔ آپ کی مہربانی کا شکریہ کہاں تک ادا کروں۔ آپ نے مجھے خاکسار کو اتنی عزت بخشی کہ اپنی بر خور داری میں بھی بیٹنے کی عزت بخشی زبیدہ سے بھی مجھے بڑی ندامت ہے۔ کیونکہ معلوم تھا کہ وہ مجھے از حد محبت کرتی تھی مگر مجبوری انسان سے سب کچھ کرا لیتی ہے۔ اسکو میری طرف سے سمجھا دیجئے گا کہ افسوس نہ کرے میں اب ہرگز اس کو نہیں مل سکتا۔ حالانکہ وہ بڑی پاکبانہ عورت ہے میں اکثر اسے دیکھا بھی اس کی صورت بھی بہت ہی پیاری ہے۔ مگر آپ میری خطا کو معاف فرمائیے۔ میں بالکل ہی مجبور تھا ورنہ آپ کے کہنے کو ہرگز رو نہ کرتا چلتے وقت یہ میری آخری وصیت ہے کہ پیاری بہن زبیدہ کی شادی فوراً کسی کے ساتھ کر دیجئے گا کیونکہ جو ان لڑکی کا یوں ہی بیچا رہنا ٹھیک نہیں۔ آپ مجھ سے بڑے بزرگ اور عقلمند ہیں مگر اس معاملہ میں میں نے آپ سے زیادہ تجربہ حاصل کیا ہے کہ لڑکی کے بالغ ہونے ہی شادی کر دینا بہت اچھا ہے ورنہ اس کا انجام آخر میں خراب و ناقص ہوتا ہے پس اس لیے اگر آپ اپنی اور خاندان کی عزت رکھنا چاہتے ہوں تو اس بات کو جو میں لکھ رہا ہوں ضرور کر دیجئے گا ورنہ پچھتائیے گا مگر یہ تحریر ہے کہ بہن زبیدہ سے میری خطا معاف کرا لیجئے گا اور ساتھ ہی آپ بھی زبیدہ سے میرا سلام کہہ دیجئے گا زیادہ والسلام۔

خاکسار غزوہ سلیم۔  
آصف خان کو زیادہ افسوس اس بات کا تھا کہ زبیدہ علاوہ سلیم کے کسی ساتھ شادی کرنے کو راضی ہی نہ تھی دوسرے سلیم کے بغیر اب اس کی زندگی بے لطف ہو جائیگی اس لیے سوچا کہ یہ خبر اندر نہ پہنچنے پائے ورنہ زبیدہ رنجیدہ ہوگی۔ لیکن اس کا یہ خیال کرنا ہی غلط تھا کیونکہ یہ خبر پہلے ہی اندر پہنچ گئی اور وہاں رونائینا پڑا تھا۔ آصف خان نے بہت سمجھا یا مگر زبیدہ کے دلیر اس کا کچھ اثر نہ ہوا۔ اسنے کہا کہ سلیم کے سوا کسی دوسرے سے شادی نہ کروں گی آصف خان نے تمام دوستوں کو کھانا وغیرہ کھلا کر



روانہ کر دیا۔ اور سب لوگ چلے گئے آصف خان کا گھر۔ خانہ شادی سے ماتم کڑ  
 بتلیا لوگوں کی خوشیاں تبدیل یہ دنچ ہو گئیں۔ یہ تو تھا ہی صبح سو کر اٹھے تو یہ  
 بھی غائب تھی اب کیا تھا گھر میں آفتاب کئی آصف خان سمجھ گیا کہ زبیرہ سلیم  
 ہی کی محبت میں دیوانی ہو کر کل گئی۔ اب کیا ہو سکتا ہے اس کی بیوی بھی مار  
 رنج کے بیمار پڑ گئی غرضیکہ ان کی کیفیت ہم کہاں تک تحریر کریں جو بیچارہ ان  
 کی حالت تھی ادھر ادھر تلاش کر کے صبر کا پتھر اپنے سینہ پر رکھ لیا اور خاموش  
 ہو کر بیٹھ رہے۔

## انیسواں باب

### ظہیر کا خواب اور اس کی موت

پھول تو دو دن بہار جا نغز ادا کھلا گئے  
 خسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

دنیا ہمیشہ اپنا رنگ ہمیشہ کئی نازک ادا معشوق کے ڈوبنے کی طرح  
 بدلا کرتی ہے۔ اگر آج سرخ ہے تو کل سبز۔ اسی طرح آج رنج ہے تو کل خوشی  
 ظہیر کی شادی کے صرف ۴ روز باقی رہ گئے ہیں دونوں طرف تمام سامان  
 درست ہو گیا ہے صرف اس دن کے آنے کی کثر ہے جو نکاح کے لیے مقرر کیا  
 گیا ہے۔ مگر ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ شفیع کسکی شادی کا سامان کر رہے ہیں خیر  
 ہو گا جانیدو۔ اس وقت بھی ظہیر و شفیع دونوں ہنس کر باتیں کر رہے ہیں کیا  
 ان لوگوں کو زبانی ہی عشق تھا وہ وعدے کہ شمیمہ کے علاوہ کسی دوسرے  
 سے شادی ہی نہ کروں گا کیا بھول گئے اور شفیع صاحب بھی حسینہ کی شادی  
 ظہیر کے ساتھ مرتے دیکھ کر کچھ رنج و افسوس نہیں کرتے میرے خیال میں  
 یہ مندر کرنا چاہیے۔ گمراہ کن سچے عاشق تو بہت ہی کم ہوتے ہیں اور

جھوٹی محبت کرنے والے بہت اچھا اب ذرا انکی باتیں تو سنئے۔  
شفیع۔ تو بس آپ اپنا خواب اپنے والد سے ضرور بیان کیجئے بڑا حیرت ناک  
خواب ہے مجھ تعبیر مجھ میں نہیں آتی۔

ظہیر۔ (ہنس کر) کیسے سمجھ میں آسکتا ہے میرے خیال میں ابا جان بھی نہ سمجھ  
پائیں گے اچھا تو اب تو اب میں اندر جاتا ہوں اور خواب بھی بیان کروں گا  
تم جاؤ اور اپنا سب کام پورا کر دو۔

اس کے بعد شفیع لوہلا گیا اور ظہیر اندر جا کر چپ کھڑا ہو گیا۔ وحید کو  
آجکل ظہیر کی بشاشت سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ سمیٹہ کاریج بھول گیا مگر  
اس وقت ظہیر کو رنجیدہ دیکھ کر پوچھا کہ کیوں بیٹا چپ کیوں ہو  
ظہیر۔ کچھ نہیں پوہن ابا جان رات کو میں نے ایک خواب دیکھا ہے مگر اس کا  
مطلب کچھ سمجھ میں نہیں آتا اور نہ وہ کوئی ایسا ویسا خواب تھا۔

وحید۔ کیا خواب تھا بیان کرو تو میں تعبیر بتا دوں۔  
ظہیر۔ سنئے۔ میں نے دیکھا کہ ایک بزرگ صورت نیک سیرت ضعیف  
آدمی چار پائی کے قریب آئے اور بھی کئی بزرگ اس کے پیچھے موڈ ب کھڑے  
رہے۔ یہ ان کی صورت دیکھ کر بالکل خوفزدہ نہیں ہوا بلکہ مجھے ان کی  
صوتیں بڑی ہی لورانی معلوم ہوتی تھیں۔ ان بزرگ نے مجھے فرمایا کہ بیٹا اپنے  
باپ سے کہنا کہ جب میں مر جاؤں تو میری لاش کو دفن کرنے کے بجائے کسی  
نالیہ مقام میں حفاظت سے رکھ دیا جائے اور ہر آٹھویں روز ایک نئی چادر  
پرانی اتار کر اڑھا دیا کریں گے۔ لاش کو کفن مانے وغیرہ کی بھی ضرورت نہیں  
یوہیں رہنے دی جائے اور کپڑے وغیرہ بھی دی جائیں گے۔ برہنہ۔ اس کے  
ملاوہ اس کو کوئی رسم بھی کرنے کی ضرورت نہیں جو کہ عام مردوں کے ساتھ کی جاتی  
ہے۔ اتنا کہ کہ وہ خاموش ہو گئے اور میرے سر پر ہاتھ رکھا جس سے کہ میرا  
تمام جسم کانپ گیا۔ میں معلوم ان کے کتنی طاقت تھی۔ الغرض چلتے چلتے  
انھوں نے کہا کہ دیکھو اپنے باپ سے اس کی تاکید کرو دینا اور اگر اسے اس بد  
عمل نہ کیا تو بڑا دھوکا اچھا ہے گا اس کے بعد سب لوگ غائب ہو گئے اور

میری آنکھ کھل گئی مگر اسے سوچ کے پھر بات بھر نیند نہ آئی۔ اب آپ فرمائیے کہ اس کا کیا مطلب ہے۔

وحید (کچھ غور کر کے) بیٹا یہ خواب کچھ رنج یا سوچ نہ کرو۔  
ظہیر۔ مگر اب بعض خواب بالکل سچ بھی نکل جاتے ہیں اور مجھے وہ کوئی ولی اللہ معلوم ہوتے تھے۔

وحید۔ خیر ہو گا خدا نہ کرے کہ تمہارے دشمن اس دنیا کے فانی سے سفر کریں اگر خدا نخواستہ ایسا ہوا تو دیکھا جائے گا۔

ظہیر۔ نہیں اب اس پر ضرور ضرور عمل کیجئے گا۔  
وحید۔ اگر تمہاری بھی یہی منشاء ہے تو میں ضرور ایسا کروں گا مگر خدا نہ کرے کہ میری زندگی میں وہ وقت آئے۔

ظہیر۔ میں نے شفیع سے بھی ذکر کیا تھا انھوں نے بھی اسے دیکھ کر ضرور ایسا کرنا چاہیے۔

وحید۔ اچھا جاؤ اپنا کام کرو کوئی تردد کی بات نہیں ہے۔

یہ سن کر ظہیر اپنے کمرے میں چلا آیا۔ آج اسے شمیمہ کی یاد نے پھر ستایا۔ سوچنے لگا کہ اب اس کا پتہ لگانے کی کیا ترکیب کرنا چاہیے نہیں معلوم اس نے ہمارے خط کا جواب کیوں نہیں دیا۔ کیا مجھے بھول گئی یا کچھ خفا ہو گئی کسی کے ساتھ اس کی شادی ہو گئی ہو مگر اس نے تو وعدہ کیا تھا کہ میرے سوا کسی دوسرے سے شادی ہی نہ کروں گی آخر پھر اور کیا وجہ ہوئی۔ ابھی اس کا دریاے خیال مودعین لیتا ہوا یہیں تک پہنچا تھا کہ شفیع آگیا اور کہا۔

شفیع۔ کہو خوب سمجھا دیا۔

ظہیر۔ اچھی طرح بالکل دلیلیں بٹھال دیا اور وہ اس پر عمل کرتے کو راضی بھی ہو چکے۔

شفیع۔ لو پھر کیا ہے خدا مالک ہے ذرا پانی منگوا پیاس بڑی شدت کی معلوم ہوئی ہے۔

ظہیر۔ (پکار کر) اسے گلزار ذرا تھوڑی ہر طرف تو لے آتا۔ تم کیسے سست بیٹھے

رہا کرتے ہو نہ کسی سے بولتے ہو نہ بات کرتے ہو آخر معاملہ کیا ہے۔  
گلزار نے کچھ نہیں میان ابھی کسی سے دوستی نہیں ہوتی ہے اسی وجہ سے  
جیب بیٹھا رہتا ہوں

ظہیر اچھا جاؤ بلدی سے برف نے آکر شفیع سے) یہ کوئی شریف آدمی ہے ابھی  
بیچارہ بنایا اگر ملازم ہوا ہے اس کو ضرور کچھ صدمہ پہونچا ہے ورنہ اس قدر  
خاموش کبھی نہ رہتا۔

شفیع۔ دنیا میں ہزاروں مصیبت کے مارے پھر کرتے ہیں کوئی بیچاروں کو  
پوچھتا بھی نہیں۔

ظہیر۔ ہاں ٹھیک ہے مجھی کو دیکھو۔ دوست آج بار بار مجھے شمیمہ کا خیال آتا ہو  
کچھ تعجب نہیں کہ وہ بھی مجھے یاد کرتی ہو۔

شفیع۔ کیوں نہیں ضرور وہ تم سے سچی محبت رکھتی تھی ضرور یاد کرتی ہو گی۔ مگر  
اب اس نے اس کے بعد پھر خط کیوں نہ بھیجا اس کے بعد بڑی دیر تک شمیمہ کا  
ذکر کر رہا گلزار بھی برف لیکر آگیا اور ظہیر نے فوراً شربت بنا کر شفیع کو  
پلایا اور ایک گلاس گلزار کو بھی دیا۔ شفیع نے چلنے وقت کوئی چیز ظہیر کو دی  
جسے اس نے اپنی جیب میں رکھ لیا شفیع کے جانے کے بعد ظہیر اندر گیا اور  
کھانا کھاتے وقت براہیانی مان کی طرف حسرت بھری نگاہوں سے دیکھا  
کیا۔ کھانے کے بعد آکر کمرہ میں شام ہی سے لیٹ گیا اور دھیرے سے کہنے  
لگا کہ شمیمہ پیاری شمیمہ دیکھ تیرے لیے میں نے بد دوستی اپنی جان دے رہا  
ہوں۔ مگر تجھے کیا معلوم ہو گا کہ میں نے تیرے لیے کیا کیا تکلیفیں اٹھائیں  
خدا معلوم تو کس حال میں ہو یہ کہتے ہی کہتے سو گیا۔

آج خلاف معمول ظہیر ابھی تک سو کر نہیں اٹھا گواہ نہ گئے۔ گلزار نے  
جو دیکھا تو اس نے جگانے کی کوشش کی مگر وہاں کیا تھا روح نفس غمگین  
سے یروا نہ کر چکی تھی۔ گلزار یہ حال دیکھ کر گھبرا یا ہوا اندر گیا اور وحید الدین  
سے کہا کہ حضور دیکھئے تو ظہیر میان کا کیا حال ہے وحید یہ سنتے ہی دوڑتا ہوا  
کمرہ میں داخل ہوا دیکھا تو ظہیر اپنی تمام حسرتیں دل ہی میں لیے ہیشتہ کے

۴۰  
فیصلی نیند سو رہا ہے۔ بچاؤ گھبرا گیا۔ شانہ ہلا کر آواز دیا۔ "بڑا اڑکھا۔ اینٹ  
اسفند بے خبر سوتے ہو۔ پھر شانہ ہلا کر تم تو بہت سو رہے ہو، روٹھا کرتے  
تھے۔ آج گردن تک نہیں لیٹے۔ یہ معاملہ کیا ہے۔ سر اسیمکی اور گھبراہٹ  
میں زندہ اور مردہ میں تمیز نہ کر سکا۔ اور ابھی تک یہ ہی خیال کرتا  
رہا کہ اس کا عزیز در اکھوتا بیٹا خواب استراحت سے غبارِ زمین ہوا  
ہے۔ گلزار ایک گوشہ میں بت کی مانند ساکت گھڑا تھا۔ آنکھوں سے  
آنسو ڈھل ڈھلک رہا تھا۔ پر آہ ہے تھے۔ کہیں ظہیر کی جانب دیکھ کر  
آہ سرد بھرتا اور کہا کہ افسوس اسفند جلد اس دار فانی سے عدم کی  
عانب روانہ ہو گا۔ ابھی رات کو تو لچے چلے سارے اور صبح کچھ نہیں

خوارہ جاری تھا۔ غرض کہ اندر ایک معشر برپا تھا۔ سورے، نالہ و شہوان و ماتم کے  
 کان پڑی آواز پرستانی، دیتی تھی۔ سر کے رنج کے حالت و گر گون تھی چلا چلا کر رو رہے  
 تھے اور کہہ رہے تھے وہ ہائے ضعیفی میں میری کمر توڑ کر کہہ رہے تھے۔ ہائے  
 تھمارے سہارے کی تمنا مجھے قبر بن بھی تیرا یاد ہے گی۔ سہرا کا نام لے کر  
 اس قدر روئے اس قدر روئے کہ چکایاں بندھ گئیں۔ سننے والوں کا کلیجہ  
 منہ کو آتا تھا۔ سب کی آنکھوں سے اشک سہا اور یا جاری تھا۔ لوگوں کا جہان  
 اور نصیحت بے سود تھی۔ اور ہوتی بھی قیود اور پابندیاں تھیں کہ کسی نے زبان  
 اور ہونہار بیٹے کی لاش اڑنے آگے پڑی ہو اور وہ اسکو دیکھ کر نہ تڑپ  
 اوسکی میت کو دیکھ کر کلیجہ پاش نہ یا من نہ۔ ہائے۔ مگر  
 مردہ کی سنتا نہیں چٹا کے مد سے بین عریض  
 دم بین گفتار و مدد اللہ آفرید گیا

## بیسویں باب

آج میان و حید کے مکان پر۔ خلف عمر بن مخمس ہے ہر شخص کو بیدار  
 اور مضطرب نظر آتا ہے۔ شفیق سب سے زیادہ پریشان نظر آتے ہیں آپس میں  
 سگوشیاں ہو رہی ہیں۔

ایک۔ افسوس کہی ہے وقت موت ہوئی  
 دوبر۔ موت کہا ہے یہ بہانہ اور ہوا۔

تیسر۔ سب سے پہلے جسکو جسکو جگہ مان باجی نے بیچارہ کو بلایا اور چلا گیا۔  
 چوتھا۔ موت کی آنکھ نہیں ہوتا۔ ہائے کسی عورتین زمین میں ہو گئیں

سب کہاں کچھ لالہ لکھی ہیں نمایاں ہو گئیں  
 خاک میں لایا سویرین ہو گئی جو پتہ ہوا گئیں

پانچواں۔ خدا ضعیفی میں کسی کو اولاد کا داغ نہ دے۔

چھٹا۔ بیچارہ بن کا گھر بٹ گیا۔ ماپ کی مکر ٹوٹ گئی رنج و الم کا ہوا پھٹ پٹا۔  
 سہاؤان۔ اور غریب مان کی کیا کیفیت ہوگی۔  
 آٹھواں۔ کیفیت کیا۔ سنتے ہیں کہ بیجاری کا۔ مارے رنج و الم کے برا حال ہوں  
 اور غش پر غش آتا ہے۔

نواں۔ مان بھر مصیبت ہی ایسی بڑی ہے۔  
 شفیق نہ کسی سے بولتے تھے نہ جلتے تھے۔ ایک گوشے میں بیٹھے رو رہے تھے  
 اور آنسو روناں سے لپکتے جاتے تھے۔ وحید سکتے عالم بین بیت  
 کی مانند۔ ساکت بیٹھے تھے۔ لوگوں کو ادنیٰ حالت دیکھ کر بے اختیار  
 رونا آتا تھا۔

آخر کار شفیق۔ :۔ اونکا شانہ بلند کر اپنی طرف مخاطب کیا اور کہا  
 شفیق۔ آج کو رونا بہاؤ ہوگا۔ یہ کہتے ہوئے تھے۔  
 شفیق۔ ہاں اکل جس سے ہم دو بدو بات چیت کر رہے تھے آج  
 اوس کو مرحوم کے نام سے یاد کر رہے تھے۔

شفیق کا رونا دیکھ کر سب کو رونا آگیا۔ اور وحید کو غش  
 آگیا۔ اگر گلزارِ زلفِ دیکھ کر پکڑ نہ لیتا تو زمین پر گر پڑتے۔  
 اور سر پھٹ جاتا۔ پریم۔ یہ بین ہو بھش آیا۔ اور دردناک  
 آواز میں رو کر کہا

وحید۔ ارے بین ابھی زندہ ہوں مجھ کو کوئی چھری دے دو  
 تاکہ میں بھی ہونک کر چر جائوں۔

ایک خرد کے لیے پھر کچھ صبر و صبرا  
 اگر آپ اپنی یہ کیفیت دیکھیں گے تو پھر غریب مان کو کون  
 سمجھائے۔

وحید۔ ارے اونہیں بھی جی کے کیا کرنا ہے۔ جس سے ہمارے

اسید میں ملتی تھیں جب وہ ہی نہ رہا تو ہم زندہ رہ کر کیا کریں گے۔  
 یہ کہہ کر دلہار سے پھر ٹکرا کر آنا چاہا مگر لوگوں نے پکڑ لیا۔  
 شیخ نے یہ عالم دیکھ کر وحید کو تسلی دینا شروع کر۔  
 دیکھیے۔ اب تقویٰ ہی دیر کے لیے دیکھو تھیں کاشیہ اب وہ  
 مرجوم کی وصیت یا خواب کے مطابق سجنر و مقنین کی فکر کیجئے  
 وحید۔ ہاں اس حساب کی کرونگا۔ جو ابھی تک کہہ رہی نہ کیا تھا وہ بھی کرونگا  
 درگزر۔ میں کا کہی تھا ابھی شکر سنا تھا وہ بھی کرونگا۔

# اکیسواں باب

## طہیر کا جٹازہ

پھل تو دو دن بہار جا لفظ ادا کر لائے  
 حسرت اور غم پہ پہنچ رہے ہیں کھلے ہوا ہو

آگے آگے ذری کے شا میا نے کے نیچے طہیر کی لاش جا رہی ہے  
 پیچھے پیچھے لوگوں کا مجمع ہے۔ جو شخص دیکھتا ہے افسوس کرتا ہے  
 کہ ہائے کیسے بہے وقت میں بے چارے نے اس دنیا کو خیر باد کہا  
 ہے۔ کیا لایق لڑکا تھا۔ کیا شیریں زبان تھی۔ وقت کلام منہ سے  
 نہ پھول جڑتے تھے۔ موت کسی کو نہیں چھوڑتی۔ ملک الموت یہ بھی  
 نہیں دیکھتے کہ ہم کسکی روح قبض کر رہے ہیں جس نے ابھی دنیا  
 کا کچھ لطف حاصل نہیں کیا ہے۔ لالہ لوگل سے طبیعت نہیں بھلائی کہ  
 مان نہ باپ کی پرورش کا حق پا فرض نہیں ادا کیا ہے۔ پھر ادوں



تمناؤں کا سینہ میں بھوم ہے۔ سیکڑوں حسرتیں دل میں پوری  
ہونے کے لیے ٹھہر رہی ہیں۔ ظالم موت ایک چشمِ زندہ میں  
سب کا خون کر دیتی ہے۔

میت کھٹان کھٹان باغ کی طرف جا رہی ہے۔ شفیع  
سراسیمہ وار آنسوؤں کو ضبط کیے وحید کے ساتھ ساتھ جا رہے  
ہیں۔ راستہ بھر میاں و حید پر نظر رہی کہ کہیں غافلِ برج و الم  
کی وجہ سے وہ کوئی ایسی بات نہ کر ڈالیں جس سے او کو نقصان  
پہنچے۔

میت اب باغ میں داخل ہوئی اور مرحوم کی وصیت کے  
مطابق بارہ دری کے ہال میں رکھی گئی۔ جس وقت کہ وسط ہال  
میں نقش رکھی گئی تھی وحید کو پھر غش آیا۔ شفیع کی حالت بھی  
اوس وقت دگرگون تھی۔ طبیعت کو ہزار ہزار سہا لائے غش  
محبت دباٹے سے نہ دب سکا۔ زور سے ایک آہ کی اور دین  
پر تئو را کر گر پڑا۔

اہلِ ماتم اپنی جا پر حیران و ششدر کھڑے تھے اور شفیع  
و ظہیر کی دوستی کی داد دے رہے تھے۔ بڑی مشکل سے وحید او  
شفیع کو ہوشیار کیا۔ پھر دونوں لاش کو لپیٹ کر اس قدر روئے  
کہ سینے والوں کا کھلیجہ پل گیا۔ ہزار وقت و خرابی ان دونوں کو  
نقش سے بٹھایا گیا۔ اور دو وظیفہ خوان تلاوت قرآن کے  
لیے مقرر کر کے اور پھاٹک اور نیر بارہ دری کی محافظت کے  
لیے کافی آدمی چوڑ کر۔ تاکہ ہر کس و نا کس کا اس میں گزرنہ  
ہو سکے لوگ وہاں سے چلتے کو طیار ہوئے۔ ایک نوجوان شخص جو  
اس سین کو عبرت کی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا اور زندگی کی  
یہ ثباتی پر غور کر رہا تھا لوگوں کو اپنی جانب مخاطب کر کے کہنے لگا

موت سے کسکو رستگاری ہے

موت سے کسکو رستگاری ہے

آج وہ کل ہماری باری ہے

آج ہم نے اپنے عزیز اور لائق دوست کو ہمیشہ کے لیے جد کیا ہے  
 دوست جو کل تک نہایت تندرست اور صبح و سالم تھا  
 آج ہم کو روتا اور تڑپتا چھوڑ کر اجل کی گود میں بیٹھی نیند  
 سوار ہے۔ حضرات جو شخص پیدا ہوا ہے وہ کسی نہ کسی  
 دن چاشنی مرگ ضرور چکے گا۔

صیاد اجل ہر وقت اپنی گھات میں ہماری روح  
 قبض کرنے کو طیار ہے۔ مگر ہم دنیا کی ہوا و پوس میں  
 اس قدر مبتلا ہیں کہ ہم کو مایہا کی مطلق خبر نہیں ہے  
 کسی کو زر کی طمع مارے ڈالتی ہے۔ اگر قارون کا خزانہ  
 بھی اون کے سامنے رکھ دیا جاوے تو بھی اونکی تشنگی نہ  
 بجھے۔ اس زر کی طمع میں بھائی بھائی کا۔ عزیز عزیز کا۔  
 دوست۔ دوست کا گلا کاٹنے کو طیار ہے مگر مستقبل پر  
 نظر نہیں جاتی کہ یہ روپیہ پیسہ زر و جاہ ہم سب پر  
 چھوڑ جائیں گے اور سوائے لکڑ بھر کپڑے کے جو ہمارا  
 کفن ہو گا۔ ہمارے ساتھ کچھ نہ جائے گا۔

اس چند روزہ زندگی پر ہم کو اتنا غرہ ہے کہ  
 آدمی کو آدمی اور انسان کو انسان نہیں سمجھتے۔ کوئی تو

حصول زر کی لالچ بین انتہا سے محبت و کوشش میں مصروف ہے اور کوئی  
فسق و فجور بین انتہا مشغول ہے کہ اوسکو یہ خبر بھی نہیں کہ  
ہم یہ سب گناہ اپنی گردن پر ناحق لے رہے ہیں۔ ملک الموت  
ہماری روح قبض کرنے کی فنکارین ہیں۔ اور ہم نفسِ امارہ  
کے تابع ہو کر ابھی ایسی حرکتیں کرنے کو طیار ہیں کہ جن کے  
ذکر سے ہم کو شرم اور نفرت آنی چاہیے۔ اور یہ صرف دو  
روز کی زندگی کیلئے کہ اس وقت سانس آرہی ہے۔

آئندہ کی ہمیں خبر نہیں کہ کیا ہوگا اور اوس حافظِ حق  
پروردگار عالم کے سامنے کیا منہ لکے جائیں گے۔ اور وہاں جو کچھ  
باز پرسن ہوگی اوس سے کیونکر گلہ خلاصی ہوگی۔

اے غافل انسان ؟

تو کس قدر غفلت کے خواہن مصروف آرام ہے۔ کیا یہ زندگی

بقائے حیات کا جامہ پہنے ہوئے ہے۔ نہیں اور ہرگز نہیں۔

غفلت کے خواب میں کیا اے غافل پڑے ہو

آگہوں کو کھول کر تم دیکھو مال کیا ہے

میرا منشاء اس بے وقت کی غفلت کی بجائے کیا ہے کہ

ہم اس عبرت ناک موت سے سبق سیکھیں اور دنیا کی طرف سے

دل ہٹا کر ادس پاک پہ در دگار کی جانب دل لگا لین۔ کہ  
جس نے ہم کو پیدا کیا ہے۔

اور جس سے ہم نے روز ازل وعدہ کیا ہے کہ ہم دنیا  
میں اس طرح رہیں گے جس طرح پھول پانی کے اوپر رہتا ہے  
نہ معلوم کس وقت اجل کا فرشتہ ہماری روح قبض کرے  
اور ہم کو دوسری دنیا سے رو سیاہ و قلب سیاہ اپنے گناہوں  
کی پوٹلی اپنے نعل میں دبا کر نار جنم میں جلتا پڑے۔

اسی تقریب سے سامعین کے دل پہ بڑا اثر پڑا۔  
خصوصاً میان وحید کی نظر کے سامنے دنیا کی بے ثباتی کی تصویر  
پھر گئی۔ اور عالم ہیچ معلوم ہونے لگا۔

قصہ کوتاہ۔ میان وحید کو مکان پر پہنچ کر لوگ  
اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوئے۔

میان وحید کو خطر کے خواب کا ہر وقت خیال رہتا  
تھا کہ یہ کون بزرگ تھے کہ جہنوں نے خواب میں اس طور  
پر لاش کو یہ تجنیز و تکفین رکھنے کا اور ہر آنکھ میں روز چادر  
بدلنے کا حکم دیا ہے۔ اور انکی قدرت سے کچھ بعید نہیں۔ کیونکہ  
اد سے نقل کرتے نہیں لگتی بار

شاید کہ محبہ غریب پر ترس کھا کر وہ ادس کو زندہ کر دیں۔

اب ادس کو ادس آنکھوں میں روز کا اظہار رہنے لگا۔ جبکہ ادس چادر بچھا رہا تھا

جیون تیوں تڑپ تڑپ کر کاٹی اور صبح ہوتے ہی اسی باغ کی طرف چلے جان  
ظہیر کی لاش رکھی ہوئی تھی۔

## بائیسواں باب

### شادی۔ موت اور زندگی بازی

پہرے بہن میر خوار کوئی پوچھتا نہیں  
اس عاشقی میں عزت و اداں بھی گئی  
رُوف کی ماں ظہیر کے مرنے کے دوسرے ہی دن شفیع کے گھر پہنچی اور  
ظہیر کے بے موقع موت پر اظہار افسوس کرنے لگی شفیع کی ماں نے سمجھا یا کہ  
پرانا بیٹا بیکار ہے۔ جو تقدیر میں ہوتا ہے ضرور پیش آتا ہے۔ اس کی  
نہایت میں ظہیر کی بیوی بنا ہوا ہی نہ تھا تو وہ کیسے جیتا دوسرے یہ بھی  
اچھا ئی ہوئی اگر شادی ہونے کے بعد اس کا انتقال ہوتا تب تو حسینہ کی  
نہایت بھر کے لیے پھوٹ جاتی۔

والدہ رُوف۔ ہاں اب صبر کے علاوہ کیا ہو سکتا ہے مگر موت زندگی  
کا کوئی ٹھکانا نہیں جب ایسے ایسے جوان اس دنیا سے چلے جا رہے ہیں تو  
مجھ سی بڑھیاوں کا کیا کہنا۔ میں چاہتی ہوں کہ اگر ظہیر نہیں ہے تو کسی دوسرے  
ہی کے ساتھ کروں تاکہ اس بار عظیم سے فرصت مل جائے۔  
والدہ شفیع۔ اگر آپ کو یہ خیال ہے تو میرا بیٹا شفیع اب بھی حاضر ہے گواہ  
مجھے صاف جواب دیدیا اگر مجھے اب بھی عذر نہیں۔  
والدہ رُوف۔ اب جو کچھ کہو تھیک ہے۔ مگر میں اس کا جواب دے رہی ہوں کہ  
اچھا اب میں جاتی ہوں۔  
رُوف کی ماں نے گھر جاتے ہی ایک رقعہ ناموں کا شفیع کی

مان کے پاس بھیجا کہ مجھے منظور تم سب سامان درست کرو مگر شادی بگل  
شرعی ہوگی اور نکاح اسی تاریخ میں ہونا چاہئے جس دن کہ ظہیر کے ساتھ  
ہونے کو تھا شفیع کی مان کو شاید پہلے ہی سے معلوم تھا اس نے سب سامان  
درست کر لیا اور تاریخ مقررہ پر ظہیر کی برائ کے بجائے میان شفیع صاحب  
دولہا بنے روکن کے دروازے پر پہنچے تمام اعزاء و اقارب اس کے  
ساتھ بہن اب بارات والے باقاعدہ جا کر کمرے میں بیٹھ گئے۔ مگر افسوس  
میان ظہیر جو شفیع کے سب سے بڑے دوست تھے آج ان کے بہنوین  
نہیں نظر آئے بلکہ وہ تو بیچارہ باغ بین لیٹا ہوا موت کے آغوش  
میں ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھوکوں سے مزے اٹھا رہا ہے واہ خدا کی  
بھی کیا قدرت ہے۔

ایک سے ایک کو دلاتا ہے

تب تو ذرا ق وہ کہتا ہے

غرض کہ تھوڑی دیر کے بعد قاضی صاحب تشریف لائے اور رسم نکاح بھی  
ادا ہو گئی اس کے بعد سب لوگ سو گئے میاں شفیع آج بڑے خوش نظر  
آتے ہیں شاید اپنی معشوقہ کے آنے کی خوشی ہے۔ مگر کیا ظہیر کے سے دوست  
کار کج آئے وہی دن میں بھول گیا نہ یا منہ دیکھنے بھائی کی دوستی بھی مرنے  
کے بعد سے کبھی اس کی لاش پر بھی نہ گیا جہاں کہ حسرت برس رہا ہے سچ ہے  
زندگی میں اور ایسے وقت میں سب ساتھ دیتے ہیں مگر مرنے کے بعد یا ہر  
وقت میں کوئی بھی نہیں پوچھتا مگر شفیع جی سے ایسی افسانہ تھی۔  
صبح کو کھانے وغیرہ سے فرصت ہو کر بارات رخصت کی گئی جو ٹھہر چکا  
روکن کی مان نے جینرین دیا۔ اس کے بعد بارات شہر کی ایک آدھ ٹرکوں  
پر سے گھومتی ہوئی شفیع کے گھر کو پہنچی۔ شفیع کے گھر والوں کی خوشی کا  
کیا شمار باپ کی لاکھ مالیت و شفیع کی ذات پر شکار پر بھی غور میں اندر  
چکا کا کہ دھوم مچائے ہوئے ہیں۔ رخصت کے جہاز آج ایک کہرام مچا ہوا ہے  
تمام سب لوگ ڈھارس دے رہے ہیں۔

یہ دنیا دورنگی مکارا سرا سے  
 کہیں خوب خوبان کہیں ہائے بائے  
 ادھر تو باریات رخصت ہو کر شفیع کے گھر پہنچی ادھر حسینہ کی ماں  
 رونے پینے لگی کیونکہ یہ رسم ہر ایک قوم میں ہوتی ہے کہ لڑکی رخصت  
 کرتے وقت اس کے گھر والے سب نالہ و بکا کرنے لگتے ہیں سبھی بیچار کی  
 رونے سے ہی فرصت نہ پائی تھی کہ تھوڑا سا پانی روٹ سے پینے کے لیے  
 مانگا روٹ لے فوراً وہی زہر ملا کر اسے دیدیا۔

بیچاری کیا جانتی تھی کہ وہ جان سے زیادہ پیار کرتی ہے وہی اس کی  
 جان لینے پر آمادہ ہے۔ پانی پینے کے ساتھ ہی اس کی حالت خراب ہونے  
 لگی۔ اس نے روٹ سے کہا کہ بیٹا یہ کیسا پانی تھا کہ میرا دل پاش پاش ہوا  
 جاتا ہے کیا تو نے اس میں زہر تو نہیں ملا دیا۔ ضرور ایسا ہی معلوم ہوتا ہے  
 اس کے بعد اسے خون کی ایک تہہ ہوئی اور جو عورتیں وہاں تھیں یہ جرا  
 دیکھ کر دوڑیں اور علاج کی فکر بن گئیں مگر وہاں کیا تھا زہر اپنا اثر  
 کر چکا تھا روٹ کی ماں نے پھر کہا کہ بیٹا افسوس تو مجھے مار کے کیا باپے گا  
 یہ جائیداد تو تیری ہی تھی اب بھی بڑی ہی ہوگی آہ میں نے اتنے دن تجھے بالا  
 بوسا بڑھایا لکھایا تو نے اس کا بھی خیال نہ کیا۔ تو کس کے بھڑکانے میں  
 آگیا آہ میں نے تم کو کیا تکلیف پہنچائی تھی ابھی تو تمہاری کمائی بھی نہیں کھائی  
 تھی پھر یہ تجھ کو کیا سوچیں۔

(دھیری آوازیں) مگر تو بے بڑا اچھا نیا کر حسینہ کی شادی کے بعد  
 میرا خاتمہ کیا اگر تو یہ حرکت اس سے قبل کرتا تو بیشک مجھے بڑا افسوس  
 دیتا۔ جا جا میرے سامنے سے یہ منحوس صوت بجا۔ اور میری پیاری بیٹی  
 حسینہ کو بھیج دے اور کہہ دے کہ تیرا مازہ اوشہ نے لے لیا سو آخرت کمر رہی ہے  
 جا دیکھ لے ورنہ پھر راجہ پر ہوا ہو جانے کے بعد کچھ نہ ہوگا۔ جلدی کر  
 اونا خلع اولاد جلدی کر اور یہ مجھے۔ حسینہ کی عورت دکھا دے ورنہ ایسا  
 نہ ہو کہ مر جاؤں اور یہ آکر۔ (داخل ہی رہیں رہجائے آہ آہ روٹ تو بڑا ظالم

اتنا کہنے کے بعد اس کا دم اکھر کٹنے لگا۔

رؤف بھی یہ سنیں دیکھنے کا تحمل نہ رہا اور باہر چلا گیا اور سوچنے لگا کہ میں نے ناحق اپنی ماں کو زہر دیا بھلا کوئی ایسا بھی کرتا ہے۔

لیکن نہیں کیا مہ بارہ کی ماں۔ ماں نہیں اس نے بھی تو اپنی ماں کو زہر دیدیا ہوگا۔ پھر اگر میں ایسا نہ کرتا تو مہ بارہ کی ملاقات ہونے کا کوئی دوسرا ذریعہ ہی نہیں تھا۔ اس واسطے جانے دو اس خیال خام کو رؤف اپنے دل سے جانے دو۔ آخر ایک روز مرنے ہی۔ کل نہیں تو آج ہی چھٹی مل گئی ہر کام دنیا میں فائدہ ہی کی غرض سے کیا جاتا ہے۔ وہ کام ہی بیکار رہتے ہیں فائدہ کے بجائے نقصان ہو۔ ابھی اسکے مرجانے سے میرا بڑا فائدہ ہوگا اگر بعد کو مرنے تو میرے لیے بیکار تھا اس کے بعد رؤف یوہن جنون کی حالت میں بڑ بڑاتا رہا۔

ناظرین غور کیجئے اس سے زیادہ اور رند کی بازوؤں کے لیے کیا نصیحت ہو سکتی ہے۔ طوائف کی چلنی چہ طبری پاتین انسان کی عقل کو گمراہ کر دیتی ہیں کیا رؤف ایسا بیوقوف تھا جو اپنی ماں کو زہر دیدیتا نہیں ہرگز نہیں بلکہ مہ بارہ کی محبت نے اسے از خود رفته کر دیا تھا۔ وہ جو نہ کر بیٹھتا کم تھا غرض کہ یہ خبر تشفی کے بھی کان میں پہونچی اسے یقین ہی نہ تھا دوڑتا ہوا رؤف کے گھر گیا وہاں جو عالم تھا اسے دیکھتے ہی تشفی کے حواس گم ہو گئے۔

رؤف کی ماں کا دم نکل چکا تھا اس کی لاش پر حسرت و یاس کا عالم برس رہا تھا معلوم ہوتا ہے کہ مرنے وقت اس نے رؤف کی توہیر واہ نہ کی مگر حسینہ کا خیال مرتے وقت ضرور اسکے پیش نظر رہا اور ساسی کو دیکھنے کے لیے بھی تک اسکی آنکھیں کھلی ہوئی ہیں الغرض کچھ برے بعد سب سامان فراہم کیا گیا اور شام تک وہی رؤف کی ماں جو کل تک ایک عالیشان عمارت میں بیٹھی ہوئی شاہی کی خوشیاں منا رہی تھی ایک بیگسی کی حالت میں سیکڑوں من می کے میچے چھپا دی گئی۔ کوئی یو چھتا بھی نہیں کہ تم کو۔ تشفی اور حسینہ دونوں کو اس کے مرنے کا بڑا غم تھا اور اصلیت



ان کے سوا اور کسے ہر ٹاروٹن اس قابل ہی نہ تھا مان کے مرنے کے بعد وہ سیدھا مہ پارہ کے کوٹھے پر پہنچا اس کی میت میں بھی نہ شریک ہوا۔ وہاں مہ پارہ سیٹھ جی کی صحبت سے مرے اٹھارہ ہی تھیں روٹن کو دیکھتے ہی اٹھ بیٹھی اور سلام کر کے کہا کئے سب کام پورا ہو گیا۔

روٹن۔ ان یور اتو ہو گیا۔ غالباً تم نے بھی اپنا کام پورا کر دیا ہو گا۔  
(اس اتنا میں سیٹھ جی اٹھ کر چل دیے)

مہ پارہ۔ کیا بتاؤں بڑا غضب ہو گیا۔ تم نے تو خبر ہی نہ لی۔ یہاں تو جان آفت بن بڑ گئی۔

روٹن۔ کیون خیر تو ہے۔ آخر ہوا کیا۔

مہ پارہ۔ ارے امان نے مجھے نہ ہر ملاتے ہوئے دیکھ لیا۔ اور کہا کہ اور حرام زاد کیا تجھے میرا سینا دو بھر ہے بس اب کیا کرتی چپ ہو گئی۔ اس دن سے آج تک میرے ہاتھ کی کوئی چیز بھی نہیں کھائی۔ بس اب مجھے اپنے گھرے چلو میں یہاں ایک منٹ بھی نہیں رہ سکتی اس بڑھیا کو کچر ماہواری دیدیا کرنا کہ جس میں یہ بھی اپنا بیٹ پالی سکے۔

روٹن۔ اچھی بات ہے۔ تم آج ہی چلو۔ مگر ہاں یہ بیٹھ جی کیون یہاں جے ہوئے تھے۔

مہ پارہ۔ اپنے یہاں مگر انے کہتے تھے۔ وہ چار سو دیتے تھے اور میں پانچ سو مانگتی تھی آخر کو طے کئے۔

اتنے میں بڑی بی آگئیں اور نیلی پٹی آنکھیں نکال کر ولوین جا کھبت میرے گھر سے دور ہو۔

روٹن۔ اچھا تو کیا حرج ہے۔ چلو چلو تم ہمارے گھر چلو۔

بڑی بی۔ ہاں ہاں لے جاؤ میں ایسی بیسوا کو اپنے گھر میں رکھنا نہیں چاہتی  
اٹ کیا دنیا کا خون سفید ہو گیا۔ اپنی ہی اولاد نہ رہ دینا جانتی تھی

یہ کمکر روٹن بانیہ گیا اور کرایہ کی فتن سے آیا۔ او۔ مہ پارہ کو بٹھال کر گھر کا راستہ لیا یہاں شہنشاہ وغیرہ مٹی دینے کے بعد آکر بیٹھ گیا۔ یہاں سے کر روٹن

میان زندگی کو لیکر بیوی بچہ گئے شفیق وغیرہ نے بہت کچھ لعنت و ملامت کی لیکن  
 بالکل بے سود ثابت ہوئی۔ رُوف تو اب گھر کے مالک ہی تھے کسی کی سُننے  
 والے تھے۔ دو ہی تین روز خیر سے گزرے تھے کہ ایک دن مہ بارہ نے کہا  
 یہ سب جاگتا دیکھو ہمارے نام لکھ دو۔ ہمیں ڈر ہے کہ تم کسی اور کے ساتھ  
 شادی نہ کر لو تو پھر میں کہیں کی نہ رہوں۔

رُوف۔ پیارے مہ بارہ تم یہ کیا خیال کرتی ہو۔ تمھارے لیے میں نے اپنی  
 جان تک کو مار ڈالا۔ بس اب تم کو عمر بھر چھوڑ سکتا ہوں۔

مہ بارہ۔ یہ کچھ ٹھیک ہے۔ مگر وہ بے وفا ہوتے ہیں۔ ہمیں مختار اعتبار  
 نہیں۔ غرض کہ مہ بارہ نے بہت ضد کی اور رُوف سے کچھ کرتے دھرتے بن نہ پڑا  
 مارے محبت کے سارے تعلقہ اٹھا کر اس کے نام لکھ دیا۔

ادھر سیدھی جی جو آئے تو مہ بارہ کا بیٹہ نہیں بڑی بی بی سے دریافت  
 کرنے پر معلوم ہوا کہ کسی راجہ کے ہاں حجامین کہیں ہیں۔ کئی دن تک سیدھی جی  
 برابر کھنڈر لگاتے رہے مگر آخر کار سمجھ گئے اور لوگوں سے بھی سنا کہ وہ رُوف  
 کے گھر پہنچ گئی ہے یہ دیکھ کر سیدھی جی نے تو ساڑھے چھبیس ہزار روپیہ برباد  
 کر کے زندگی باری سے توبہ کر لی۔ ادھر مہ بارہ نے جو ایک دن موقع پالا تو  
 رُوف کے گھر سے اٹھ کر سیدھی جی اپنے گھر چلی آئی۔ رُوف صاحب جو آئے

مہ بارہ کو نہ پایا سیدھی جی بڑی بی بی کے پاس پہنچے۔ بڑی بی بی نے دور ہی سے  
 دیکھا کہ رُوف کا گھر آئے کی ضرورت نہیں میرا لڑکی کو سکھا کر تم ہی  
 نے اس سے زہر دلوائے کی کوشش کی تھی رُوف بیچارہ شہر کا مارا غصہ  
 میں بھرا ہوا گھر پلٹ آیا۔ اور ناموش ہو کر بیٹھ رہا۔ بیچ بارہ نیا کرتا  
 ساری جائیداد میں سے صرف وہ مکان جس میں رہتا باقی رہ گیا تھا۔ اس کو  
 بھی لڑن سے اس بیچاس ہزار روپیہ کے عوض جسکی کر سید رُوف نے اسے  
 دیدی تھی فروخت کر ڈالا۔ ایک رہنے کا سہارا باقی رہ گیا تھا وہ بھی جاتا رہا  
 غریب رُوف رونا پیتا شفیق کے گھر پہنچا۔ بھائی کی محبت بڑی ہوئی ہے  
 حسد نے دھرتے رُوف کا گلہ سے لگالیا اور کہا کہ جانی جان آپ کچھ افسوس

نہ کیجئے یہ بھی آپ کا گھر ہے۔  
 رُوف۔ بن حسین تم بھی کتنی ہو مگر مجھ سے یہ بے شرمی کہ، سنوئی کے  
 ٹکڑوں پر رہوں نہ اٹھائی جاوے گی۔

شفیع۔ پیارے رُوف کیا اس حالات کے بند ہونے اور زندگی کے بیان سے  
 نکالے جانے سے زیادہ بے شرمی ہے، اگر ایسی ہی شرم ہوتی تو تم اپنی ماں کو  
 زہر ہی کیوں دیتے۔ ذرا سوچو تو کہ کسی نے بھی دنیا میں یہ کام کیا ہے مگر دیکھو  
 اب بھی کچھ نہیں گیا ہے۔ تم آرام سے اپنی زندگی بیان بسر کرو۔ افسوس کیا  
 نہیں ظہیر کی وہ نصیحتیں یاد نہیں جو اسنے کی تھیں

رُوف۔ جی ہاں یاد ہیں۔ افسوس وہ مر گیا۔ اب میں نے جاننا کہ بیشک وہ میرا  
 سچا دوست تھا۔ میں اس کے کہنے پر عمل نہ کیا۔ اسکی باتوں کو نہ مانا۔ ورنہ آج کو  
 یہ دن نہ ہوتا۔ بس شفیع اب ذرا تم مجھ کو ظہیر کی لاش پر ملے پلو، اگر میں نے  
 زندگی میں اس کا کہنا نہ مانا تو مرنے کے بعد ہی معافی مانگ لوں۔ اب میرا زہر  
 رہنا بیکار ہے۔

شفیع۔ جان دینے سے کیا حاصل۔ گنہگار مر گئے۔ اس سے بہتر یہ ہے کہ اب خدا  
 توبہ اور استغفار کرے۔

رُوف۔ نہیں وہ ایسے نہیں ہیں کہ معاف ہو سکیں۔ وہ بالکل غیر قابلِ غفران  
 ہائے میں نے کیا کیا۔ اپنی ماں کو زہر دیدیا وہ مجھے کتنی محبت کرتی تھیں۔ ہائے  
 قیامت کے دن تمام فرشتہ اور ملائکہ میری طرف نفرت اور حقارت سے  
 دیکھتے ہوں گے وہ معذرتاً حقیقہ اپنے قہر و غضب میں آکر یہ گناہ ماں کے  
 خون کا بدلہ مجھ سے غور سے کاربائے میں کہیں گانہ رہا اسے اللہ عاف کر۔  
 اپنے کنبہ۔ ظالم۔ اور بے شرم۔ کہ یہ کہہ کر یہ کہہ کر اس کی آنکھوں سے  
 (خون کی بارش ہو رہی تھی) شفیع نے ہر چند اس کو تسلی دی۔ لیکن رُوف کا  
 رنج و غصہ بڑھتا ہی گیا۔ اسنے خیال کیا کہ میں نے میرا دل اسے ساتھ کر لیا  
 گرا سن عیار رہا۔ اپنے جیسے بڑا دھوکا کیا۔ مجھے اگر یہ تمام لیتا جا سکتا ہے  
 ہرگز نہیں سبب ہی زندگی میں ایسی ہی ہوتی آئیہ میں پڑھا لکھا تھا اور سب لچب

جانتا تھا مگر میں نے خود ہی غلطی کی۔ ورنہ ہرگز ایسا ذلیل و خوار نہ ہوتا۔ لیکن یہ بھی قسم ازل نے روز اول سے میرے قسمت میں لکھ دیا تھا۔  
 آج ظہیر کو مرے پورے آٹھ پوم ہوئے۔ شفیع کو بہت جگت ہے۔  
 علی الصباح ضروریات سے فارغ ہو کر کپڑے پہن کر بیٹھ گیا اور رُوف  
 سے کہا: "جیلو تمہیں ظہیر سے ملا لائیں"

رُوف: کیا تم اب مجھے باغ ہی بیوقوف خیال کرتے ہو۔ جو ایک مرے ہو  
 آدمی سے ملاقات کرنے کو کہتے ہو۔

شفیع: بات بنا کر (وہ تو مر گیا مگر اس کی لاش تو ابھی تک رکھی ہے تم اس سے  
 باتیں کر سکتے ہو وہ صرف تمہارے سوالوں کا جواب دے گا تم یہ خیال کر لیتا  
 کہ ایک دوست ناراض ہو گیا ہے اور نہیں بولتا۔ اچھا تو اٹھو دیر نہ کرو۔  
 اس کے بعد دونوں اس باغ کی طرف روانہ ہوئے جہاں ظہیر کی  
 لاش رکھی تھی۔

## بیسواں باب

نتیجہ بد کا بد نیکی کا نیک انجام ہوتا ہے

### انجام

اس عالم بے ثبات میں کسی کو بھی بقا نہیں۔ جس نے کنا ر مادر دیکھی ہو  
 اُس کو آغوشِ گدھی دیکھنا ضرور ہو گا جسکے سر پر آج شادی کا سہرا چھایا  
 جا رہا ہے کل اس کی قبر پر لوحِ گری ہو گی۔ بڑے بڑے طاقتور اور توتی  
 جن کا سکہ جما ہوا تھا۔ جن کے ڈنکوں سے زمین آسمان گونج جاتے تھے  
 بن کے رعب و جلال کے سامنے شیرِ تھرا جاتے تھے۔ آج قبرِ یزید، حاموش  
 اور کس بے بسما کی حالت میں پڑے ہوئے ہیں۔ ان کی خواہاں و ریتِ سورتیں

خاک میں مل گئیں۔ انکے اجسام غذا سے مور و مار ہو گئے ان کی شہوت اور شوکت جو ان کو دو دینت کی گئی تھی ان سے ہمیشہ کے لیے چھین لی گئی داسا و جشید و خاقان اور سکندر جیسے ادا و اعزم اور صاحب مصلحت جا جا کر زیر خاک مقیم ہو گئے۔ اور اپنا نام متاخرین کو عبرت دینے کیلئے چھوڑ گئے۔ ہم دیکھتے ہی کہ ابھی ظہیر کو مرے ہوئے کتنا وقت گزرا۔ آج آٹھواں روز ہے اس کا باپ آج چادر بدلتے کے لیے جاوے گا۔ ہم کو بھی جا کر دیکھنا چاہئے کہ کیا ہوتا ہے۔ شفع کا باغ نہایت پر فضا مقام پر واقع ہے باغ کے چار جانب مزروعہ زمین پڑی ہوئی ہیں اس کھوار کی میں اتارا لگور و خلیفہ و بھی اور انناس کی پیر کثرت سے ہیں۔ جو قطاروں میں ترتیب دیئے گئے ہیں۔ جا بجا گل سوسن اور چنبیلی کے پودے اپنی خوبصورتی و داغوں کو معطر کرتے ہیں۔ سرخ روشین ایسی دلکش اور طرب افزا بنائی گئیں ہیں کہ آدمی دیکھ کر محو حیرت ہو جاتا ہے کئی ایک مالی اس کی سرگداشت کے ساتھ مقرر ہیں۔ وسط باغ میں ایک خوبصورت اور بد دل نش عمارت بنی ہوئی ہے اس میں ایک بڑا ہال ہے اور اس کے چاروں طرف۔ برآمدہ بنا ہوا ہے جس میں کچھ کرسیاں اور دو ایک میزین پڑھی رہتی ہیں اس برآمدہ میں گلزار بیٹھا ہوا اونگ رہا ہے۔ کبھی کبھی چونک کر ادھر ادھر دیکھنے لگتا ہے کبھی اپنی لمبیٹنی ہوئی چلم میں سلفہ رکھ کر دم کشی کرنے لگتا ہو ابھی ہم باغ کی سیر ہی کر رہے تھے کہ دو اشخاص مشرقی سمت سے آئے اور دکھائی پڑے۔ مگر یہ کون ہیں اور کیوں آئے ہیں خیر انھیں آنے دوارے یہ تو یوسف علی اور اصغر علی ہیں۔ اچھا اس دن ہوٹل میں اصغر علی نے کہا تھا کہ اس مقبرہ میں چلین گئے۔ ظہیر کی لاش رکھی ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ اسی کو دیکھنے آئے ہیں۔ یہ اصغر علی گلزار سے کیا

کہہ رہے ہیں۔

اصغر علی۔ کیوں یا کیا ہم اس مقبرہ میں جا سکتے ہیں۔  
گلزار۔ (غور سے دیکھ کر) کیوں کیا کام ہے۔

اسے سب علیؑ کے بچہ نہیں۔ ایسے ہی ظہیر کی لاش دیکھنے آئے ہیں۔ ہم انکا قصہ اخبار میں پڑھا تھا۔

اصغر۔ اور وہ ہمارے دوست بھی تھے۔ شاید تم بھی ہمیں پہچانتے ہو گے گلزارِ شاہان۔ دیکھا تو ہے کہیں۔ مگر یہاں تو میں حال میں ٹوٹ کر ہوا ہوں۔ اصغر بھرائی ہوئی آواز میں اچھا تو یار پھر اٹھو جانے دو۔ گلزار۔ اچھا ہاں پہلے جائے۔

اس کے بعد دونوں اندر داخل ہوتے ہیں۔ لاش ہنوز سالم ہے اصغر نے آہستہ سے منظر پر چار در سبکائی نہ معلوم کیا بات بانی کہ فیروز زمین پتھر پٹا یوسفؑ اٹھ کر گیا مگر تھوڑا سا پانی گلزار سے لیکر اس کے منہ پر جھڑکا اور اپنے کرتے کے دامن سے اس کے منہ پر ہوا دینے لگا تب اصغر ہوشیار ہوا آیا اور ایک آہ سرد بکھر کر پھڑک گیا۔ اور کہا۔ ہا۔ ظہیر تو میرا بیٹا ہے مگر کیا تو میرا زندہ رہنا ہے سو دے۔ بلکہ سو نہ دے کہ تم سے دو چار باتیں بھی نہ کر سکی نہیں معلوم وہ کون دن تھا جس دن تجھ سے رخصت ہوئی تھی۔ بولو کیا تم مجھ سے خفا ہو گئے۔ کیوں سننے کیوں نہیں کیا اب بیکار ہی نہ بولو گے اچھا تو لو میں بھی اپنا حق ادا کرتی ہوں تم ظہیر میرے پاس آؤ مجھے نہیں باقی رہ گیا ہے۔ صرختیں کیجئے۔ ہاں باقی رہ گیا ہے۔ میرے پیارے آپس اس کو قبول کرو۔

پہلے پھر فنا میں جلد یار ب لاتیں لے لیں

کہ چھوٹی بھاریاں ہیں جو ہر شمشیر قاتلانی

اتنا کہ کہہ لینی جب سبے ہاتھ نہ لایا جاتا ہے سینہ کے پار گر لیا اور ظہیر کے بغل میں جا کر گر پڑی۔ اب اسکی دستار نہ پڑے اور بے یار سیاہ بال تھا ہر دو کے یوسفؑ یہ ناجائز یکدم بہت گھٹا گیا۔

دور اصغر کی غور سے دیکھا کرتے اسنے کہا کہ پہلے اسے یہ بات۔ تم عورت تھیں کیا تم نے اسکی دل کے اپنے مرد کو چھو نہیں کیا تھا؟ افسوس میں تمکو پہچان گئی تھی کہ تم سلیم ہی ہو مگر میرے پاس نہ آؤ۔ ان سے نہ کہا۔ بلکہ یہ دیکھنا

جاہتی تھی کہ تم کیا کرتے ہو۔ تم نے جان دیدی تو میں اب رہ کر کیا کروں گی  
 بس لو دیکھ لو میں وہی زبیدہ ہوں جو تم پر عاشق تھی۔ تمھارے غائب  
 ہونے ہی میں بھی اسی رات کو فرار ہو گئی اور کچھ ہوٹل میں تم سے ملاقات ہوئی  
 اس دن سے آج تک تمھارے ساتھ رہی۔ بس یہی میرا قصہ ہے لو یہ میرے  
 بچے یہ کم کر صاف ہمارے بچے نکد یا اور وہی چاقو جو اصغر نے اپنے سینہ میں  
 اتار لیا تھا اپنے بھی مار لیا اور زین پر گر کر ترپنے لگی تھوڑے عرصہ کے بعد ظہیر  
 کو بھی اب ہوش آیا اور یہ منظر دیکھ کر گھبرا گیا۔ اسے تین گلاز ریشی اندر آ گیا۔  
 مردہ و زندہ دیکھ کر یہ نوک بہت ششدر ہو گئے کہ یہ کیا واقعہ تھا۔ ظہیر کی  
 بجائے جیسے ہی اصغر پر پڑی بیدار خاتہ چلا اوٹھا آئین پیاری شمیمہ یہ تیر کا کیا  
 حالت کیا تو نے میری ایسے اپنی جان دیدی۔  
 شمیمہ۔ (اکراہ کر) ہاں ہاں میں نے سنا کہ تم مر گئے اور یہاں آ کر تلو دیا یہی  
 پایا۔ اس لیے میں نے اپنی جان دیدی۔ مگر تم زبیدہ کیونکر ہو گئے۔ ہاں اب  
 زندہ ہو سہ

بعد مرنے کے مری قبر پر آے وہ امیر

آؤ آؤ امیر۔ بیسی کو دو امیر بعد

شمیمہ کچھ کہنے اور یہ بھی کہ کلنر ار کی نظر یوسف پر پڑی اور اس نے بھی  
 چنچ کر کہا۔ زبیدہ (فسوس من آؤ نے ابھی جان کیوں دیا مجھے پہلے ہی شک  
 ہو گیا تھا مگر میں نے حیا کر کے نہ تو تو نہیں کہے۔ ساتھ مزہ کر رہی ہو گی۔ یہاں  
 کہسان

زبیدہ۔ (اثر پر کمر چلیں آؤ نے تین تھوڑے ٹکڑے تیر کچھ خیال  
 کیا۔) تمھارے بچے کو تو نے زبیدہ کو دیا ہے۔ میں بس پر ہوا شوق تھی وہ خود ہی  
 کسوا پر ناشور بنی۔ یہ تو ہے وہ تین تھوڑے۔ بڑے دوست تھے۔

خاتہ اسے لے کر رہا۔ وہ تیر کے لیے تھوڑے تھوڑے  
 شمیمہ۔ ہاں ظہیر، زبیدہ، وہ تیر کے لیے تھوڑے تھوڑے  
 دکھایا۔

خلیل۔ ہاے زبیدہ اب تم مر رہی ہو۔ اب میں تمہارے بعد کیا کروں گا یہاں  
تو یہ خیال تھا کہ تم آرام سے ہو گی۔ تمہارا کرب اور تڑپنا مجھ سے دیکھا نہیں  
جاتا بلکہ کوئی سچا عاشق اپنی معشوق کو دم توڑنے کی حالت میں نہیں دیکھ سکتا  
ہے۔ بس یہ کہہ کر اس چاقو نے جس نے ابھی زبیدہ کا کام تمام کیا تھا خلیل کے  
سینہ میں جگہ کی۔ خلیل زمین پر تڑپنے لگا۔

اب یہ جانگذازنہ نظر ظہیر سے کب دیکھا جاتا۔ اسنے کہا۔ ہاے شمیمہ نے جب  
میرا ساتھ آخری وقت تک نہ چھوڑا اور اپنی جان میرے اوپر سے قربان کر دی  
تو کیا مجھ کو اس کے احسان کا بدلہ نہ اتارنا چاہیے۔ فوراً اتارنا چاہیے تو شمیمہ  
گھر آؤ نہیں میں بھی تمہارے پاس آنے والا ہوں۔ آ۔ اسے چاقو آ۔ میری شمیمہ  
نے تجھ کو اپنے سینہ میں جگہ دی ہے۔ مجھ سے یہ نہیں دیکھا جاتا کہ تو زمین  
پر برابرہ جاے۔ تو شمیمہ کا دوست ہے اس لیے میرا دوست پہلے ہوا  
یہ کہہ کر اسنے بھی اس چاقو سے خودکشی کر لی اور زمین پر تڑپنے لگا۔ اور کہا  
پیاری شمیمہ لو میرا قصہ سن لو۔ میں نے تمہارے خطر کا جواب دیا۔

اجتے میں شفیع اور رؤف داخل ہوئے اور دیکھتے ہی ان کے پیروں  
کے نیچے سے زمین نکل گئی رؤف چلا اٹھا کہ اے یہ کیا ماجرا ہو گیا کہ مردہ زندہ  
ہو گیا۔

ادھر چاروں زمین پر تڑپ رہے تھے شفیع نے دوڑ کر ظہیر کا سراپہ  
زرا تو پر رکھ لیا ظہیر نے کہا رہ جائے۔

ظہیر۔ سنو شمیمہ سنو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں مرجاؤں اور میرا قصہ ناتمام  
رہ جائے۔

شمیمہ۔ ہاں تو پھر جلدی کہو۔ مجھ کو بھی کچھ دعا کی کہمات کہنا ہیں۔ رؤف  
حیرت میں سب کا منہ تک رہا ہے۔

ظہیر۔ شمیمہ جب تم نے میرے خط کا باب نہ دیا تو میری طبیعت بہت گھبرائی  
مگر کیا کرتا مجبور تھا صبر کر لیا۔ ایک دن میرے باپ نے شادی کی بات مجھے  
دریافت کیا۔ میں نے صاف صاف کہہ دیا کہ سوائے شمیمہ کے دنیا میں کوئی



دوسرا نہیں جو میرا بیوی بن سکے آبا کو یہ سنکر بڑا ناگوار گزرا اور مجھے ڈانٹا کہ کہا کہ میں ہرگز تیری شادی اس کے ساتھ نہ کروں مگر یہ سنکر میں خاموش باہر چلا آیا (کراہ کر) آہ تھوڑے ہی دنوں کے بعد انھوں نے میری شادی ان کی (روؤں کی طرف اشارہ کر کے) بہن حسینہ کے ساتھ طے کر دی۔ یہاں بھی درست ہو گیا صرف ۳۰ دن نکاح کو باقی رہ گئے ہمارے کیا بتاؤن مشہ کا یہ تھی کہ شفیع جو ہمارے پاس بیٹھے بہن حسینہ پر عاشق تھے۔ انھوں نے کہا کہ اگر حسینہ تمہارے ساتھ بیاہ دی گئی تو میں ہرگز زندہ نہیں رہ سکتا۔ (دھیری آواز میں) میں نے کہا کہ بھلا یہ کب ممکن ہے کہ میں تمہاری منظور نظر کے ساتھ اپنی شادی کروں۔ دوسرے اگر شمیمہ حسن اتفاق سے کبھی مل گئی تو میں اسے کیا جواب دوں گا۔ کیونکہ میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ کسی دوسرے سے شادی نہ کروں گا۔ بس میں نے خیال کیا کہ میرا جان ویدنا دونوں باتوں کے لیے کافی ہو گا اور ہر تو ملو کچھ شکایت نہ رہے گی اور ادھر شفیع کی شادی حسینہ کے ساتھ ہو جائے گی۔ مگر پھر یہ خیال آیا کہ تو میرے بعد کیا کرے گی۔ شفیع نہ بڑی کوششوں سے ایک سال سا زہر (کراہ کر) ہم سیو نیو یا جسکا اثر کر ۸ دن کے بعد ذائل ہوتا ہے ہلو گون نے کہا کہ بس اسی کو کھالین تو ٹھیک ہے مگر پھر یہ دقت ہوئی کہ اگر دفن کر دیے گئے تو معاملہ ٹھیک نہ ہو گا۔ اسکی گڑبنت کے لیے میں نے اپنے باپ سے ایک فرضی خواب بیان کیا۔ کہ رات کو مجھے ایک بزرگ نے خواب میں بشارت کی جب میں مر جاؤں تو مجھ سے دفن کر کے کسی جگہ رکھ دیا جاؤں میں نے باپ سے یہ بھی کہا کہ ان بزرگ نے کہا تھا کہ اگر تمہارے باپ نے ایسا نہ کیا تو اسے سخت مشکلوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ غرض کہ اس کے دوسرے دن میں نے وہی زہر کھا لیا اور آج شاید آٹھ روز ہو گئے ورنہ کیسے زندہ ہوتا۔

اس کے بعد اس کا کاغذ خشک ہو گیا اور اس نے دھیرے سے پانی پیٹنے سے لیے مانگا اور روؤں نے تھوڑا پانی لاکر ملا پا کر اسے کچھ بعد پھر ظہیر بولا۔  
 ”مگر افسوس شمیمہ تو نے اپنی جان مفت ہی دی خیر ہو گا جو قسمت میں تھی“

لو گیا سہ

سفینہ جبکہ کنارے پر لگا غالب  
خدا نے کیا ستم وجودِ نا خدا سکتے

کہو پیارے دوست خفیہ تمہاری مرادیں برائیں یا نہیں؟  
اتنا کہنے کے بعد ظہیر کی آواز باطل مکرور ہو گئی اور شمیمہ سے اشاروں میں  
کہا کہ اپنا بھی حال بیان کرو۔

شفیع - دوست گو میری جو آرزو تھی پوری ہو گئی مگر غصت ہے ایسے پورے  
ہونے پر جو تم ایسے دوست کو لکھو کہ میں نے حسینہ کو حاصل ہی کیا تو کیا سہ  
ہے بہت اچھی وہی شہ جو بہت کیا اب ہو

تو نقطہ دل ہی میں ہے اور جانِ باخبر میں

ظہیر - نہیں دوست! اتنا ہوا۔ میں بہت خوش ہوں۔ ان شکمہ دیر نہ کرو تم کو بھی  
جو کچھ کہنا ہے کہ ڈالر آہ تکلیف بڑی ہے۔

شمیمہ (نہیں پر دوپٹے لکھ کر ظہیر سے لپٹ گئی) ظہیر پیارے ظہیر اگر تم نے زندگی  
میں اپنے لیے سے مجھے نہیں لکھا یا گویا بھی لپٹا تو تاکہ بدست جو مہینوں کے  
پے آنے وقت دل سے نکل جائے۔ لوں تو میرا حال بھی کچھ تمہارے حال سے کم  
نہیں۔ میں نے تمہارا خط پایا سنے لکھا تھا کہ تم سے شادی ہو نا ٹھیک ہے کل

بات سن کر اب بھی ایسا نہ ہوں گے میں ابھی خیال سے تنے خط نہیں بھیجا اور  
تمہاری طرح صبر کیجئے۔ پھر رنج و مینا نہ آئے کہلر نہیں آئے اور باکل دھیری ہو ہی  
لیاؤ۔ اب اپنا پیٹہ کہہ دو۔ میرا آٹا سے پاری ہے تو شمیمہ نے کہا (ظہیر سے  
ہی دونوں سن کر ہنس رہی ہیں) مجھے کھڑے ہونا پڑا اور ظہیر ہٹا ہٹا کر کہہ لہی پڑ گئیں جس  
باب پیار و اسکی وجہ سے کہنا نہ پڑا ہوتا تھا۔ ہمارے رنج کے دور میں شہب کمر  
مر گیا۔ اب میں اس کے پاس کھڑی رہ کر کہتا ہوں۔ میں نے کہا کہ اللہ آباد و فائدہ  
ہو گئی وہاں پر شہب نے دسی کہ برون چکا تھا نا کہ آہ صحت مان تھا تو کہہ دو گے  
میں نے اپنا نام و آواز نہیں دیا اسی وجہ سے کہہ رہے تھے یہ بھی خیال کیا کہ تمہارے  
پاس چلوں۔ شہب آ کر آئے تھے یہی قدم ہائے تادیب کرتے ہیں انہیں میں نے

ہیوان کا آنا کچھ دن کے لیے ملتوی کر دیا مختصراً قصہ یہ کہ آصف خان کی ایک اہلی بھی جس کا نام زبیدہ تھا اور وہ دیکھتے آپ کے ساتھ بڑی تپیل پاتی ہے یہ مجھ پر عاشق تھی۔ آصف خان نے اس بات کی کوشش کی کہ میری شادی زبیدہ کے ساتھ کر دے مین اسے ایک عورت ہوتے ہوئے کیونکر منظور کر سکتی تھی اس لیے انکار کر دیا مگر آصف خان نے مجھے شادی کرنے پر مجبور کیا تو مجھے بھی انکار۔ بکراہ کر کے دین پڑا۔ بڑی مشکل یہ تھی یہ میان خلیل چوڑبیدہ کے پاس ہی رہتا ہے مین عرصہ سے اپنی عاشق تھے مین نے لاکھ کوشش کی کہ ان دونوں کی شادی ہو جائے مگر یہ تو ان کی تقدیر ہی مین نہیں کھاتا تھا زبیدہ نے ان کی بائبل پر واہ ہی نہ کی مین نے خلیل سے وعدہ کیا تھا کہ ہرگز تمھاری معشوقہ کے ساتھ شادی نہ کروں گا مگر یہ بجز اسے اسی دن تسدن کہ ہر نکاح زبیدہ کے ساتھ ہو نیوالا تھا۔ وہاں سے بھاگ آئے۔

دب زبیدہ کی آواز بہت بھرائے ملی اور شاید یہاں آکر آپ کے یہاں نوکر ہو گئے عرصہ میں بھی شام کے بعد وہاں سے بھاگ کر کاہنور چلی آئی یہاں مین نے اپنا فیشن بدل دیا اور نام بھی سنیہم کے بجائے اصغر علی رکھا۔ دوسرے روز زبیدہ بھی مردانہ فیشن مین وہاں آئیں۔ کل مین نے ایک اخبار مین آپ کا قصہ پڑھا۔ اس وقت سے جو دل کی حالت تھی کیا بتاؤں رات کو لاکھ لاکھ بن کر لیٹے مگر نیند کسے آتی رشب بھر کروٹیں بدلائی۔ اور اس وقت یہاں آئی۔ مگر انسوؤں اور تھوڑی دیر بعد آئی تو یہ جانین مفت مین کیوں ضائع ہوتی اور یقین تھا کہ آپ کے باپ اب ہماری آپ کی شادی بھی ضرور کر دیتے۔ مگر۔۔۔ افسوس (یہ کہ کہ تمہیں چاہی ہو رہی)۔

شفیع۔ دوستوں قسمت کا لکھا پورا ہوتا ہے وہ دن کو ظہیر مجھے بہت وقت معاف کر دیر ہو رہی وہاں سے تمھاری اور تمھاری معشوقہ شیمہ حیدر کی جائین تلف ہوتی مین اپنی جان دیدیتا مگر اس حد میںہ کا خیال آتا ہے۔ حال سب واقعات کی باعث ہے۔ اگر مین بھی مر گیا تو اس کی بیٹی نہ ہو سکتی۔ افسوس (یہ کہ کہ یہوش ہو کر گر پڑا روٹ بھی روان)۔ آواز مین بولا۔ ظہیر

ذرا اپنے اس نافرمان دوست کا ماجرا بھی سن لو۔ شاید یہ بھی تمہارے ہی ساتھ  
اس دنیا کے دوان سے سفر کر جائے۔  
ظہیر۔ دبا نکل مہین آواز میں اکھو۔۔۔ اکھو۔ میرے۔ دو۔۔۔ رست کیا۔۔  
ہو۔۔۔ ۱۔

رؤف۔ میرے سچے دوست جو تم نے کہا وہی ہوا۔ لیکن میں بھی قصہ اسی طرح  
سناؤں گا جس طرح کہ تم لوگوں نے کہا ہے۔  
یہ کہہ رؤف نے اسی چاقو کی طعن ہاتھ بڑھایا جو م کو گھائل کر کے زمین  
میں پڑا ہوا تھا۔ شفیع یہ دیکھ کر یکپڑے دوڑا مگر اب کیا ہوتا ہے رؤف کا ہاتھ  
چاقو کے دستہ پر اور اسکا پھل دل کے اندر تھا رؤف بھی سبکی طرح گر پڑا اور  
کہا۔

رؤف۔ سن لو دوستو! سن لو تم لوگ بڑے قسمت ور ہو اور بڑی ہی اچھی  
موت مر رہے ہو لیکن میں ایسے اسباہ کار ہوں کہ شاید دنیا میں میرا ثانی نہ ہو  
ہے نہ ہو گا ہاے میں نے زندگی باری کے بدولت اپنی ساری دولت و جائداد  
کھوئی۔ اور ظہیر آخر کو تمہارے گھنے کے متعلق اپنی بھی جان دینی پڑی۔ آہ  
آہ اس مہ پارہ نے مجھے ایسے ایسے دھوکے دیئے کر ارا کہ میری مان نکلی میر  
ہی ہاتھ سے بے فائدہ زہر دلوادیا اور آخر میں مجھے بھی مار کر نکال دیا۔ اُف  
میری مان کی موت مجھے ابھی تک یاد ہے وہ دیکھو وہ دیکھو سانے کھڑی ہوئی کچھ  
کہہ رہی ہے۔ ہائیں کیا کہہ رہی ہے۔ کہہ رہی ہے کہ تو نے میری بیٹی حسینہ کو آخر  
وقت مجھے نہیں ملایا یا قیامت کے روز دیکھا جائے گا اتنا کہنے کے بعد  
رؤف بالکل مردہ کی مانند ہو گیا شفیع نے اٹھ کر تھوڑا پانی اسے بھی پلایا تو  
رؤف بھر بولا۔

رؤف۔ ہاں اچھی شمیم مرتے وقت تم بھی اس بیکار کے گناہوں کو اپنے پیارے  
ظہیر کے صدقے میں معاف کر دو! میں نے تمہاری بھی عزت لینے کی کوشش  
کی تھی۔ خدا شفیع کو تا قیامت زندہ رکھے کہ ان کی وجہ سے بچ گئی ظہیر تم بھی  
اگر نہ بول سکو تو اشاروں ہی اشاروں میں میری سیاہ کاریوں کو معاف کر دو

جو میں نے تمہارے ساتھ کین۔

شمیمہ۔ رُوفِ بین نے مجھے معاف کر دیا۔ میرا۔ خداوند بھی۔ معاف کر دے۔

ظہیر نے بھی آنکھوں کے اشارے سے رُوف کو تسلی دی شفیع دڑتا ہوا گھر چلا گیا تاکہ ظہیر کے باپ کو بلا لے۔

کچھ دیر کے لیے اس مقبرہ نما مکان میں ایک سناٹا چھا گیا۔ اتنے میں شفیع ظہیر کے باپ کو بیان بلا لایا سب کے دم ہونٹوں پر تھے۔ ایک طرف ظہیر و شمیمہ آخرت کی تکلیفوں کا خزانے رہے تھے دوسری طرف خلیل زبیدہ سے اشاروں میں اسکی بے وفائی کا گلہ کر رہا تھا زبیدہ بھی پشیمان تھی کہ اسنے خلیل کا ذرا بھی خیال نہ کیا تیسرے طرف رُوف لگ بھگ کیا ان لیلیٰ کے کہ اپنی ماں کی موت اور مہارہ کی بے وفائیوں کو یاد کر رہا تھا وحید الدین جب وقت یہاں پہنچا یہ قصہ اس کی آنکھوں میں طلسم کا مکان ہو رہا تھا آخر کار شفیع نے سمجھایا کہ یہ وہی شمیمہ ہے جسکے لیے ظہیر نے اپنی جان دیدی مگر آپ کو انکی شادی کرنا منظور نہ ہوئی دیکھئے طریقین کی نارضا مندی پر زبردستی شادی کرنے کا یہ نتیجہ ہوتا۔ آپ ہی انصاف کیجئے کہ انکین کیسی محبت تھی کیا شمیمہ خوبصورت نہیں ہے لیکن اب ہونے نہ ہونے سے کیا ہوتا ہے۔ آخر وقت ذرا ان عشق کے تشنہ کا ماحول کی حلق میں تھوڑا تھوڑا پانی ہی ٹپکا دیکجئے۔

وحید الدین نے جلدی سے تھوڑا تھوڑا پانی شمیمہ و ظہیر کو پلایا شمیمہ نے ہر شرم کے اپنا منہ دوسری طرف کر لیا اور ادھر رُوف نے بھی ان تینوں کو پانی بلا یا۔ ظہیر نے اپنے ہاتھ باپ کو لپٹانے کے لیے اٹھائے مگر نا طاقتی سے گر پڑے اب کسی کے منہ سے آواز نہ نکلتی تھی بلکہ سب کے سب جانکنی کی تکلیفوں سے فرش پر مچھلی بے آب کی طرح تڑپ رہے تھے۔ وحید الدین نے روتے ہوئے کہا کہ بیٹیا ظہیر میرے گناہ معاف کر میں نے تیرا دل توڑا کہ شمیمہ کے ساتھ تیرا عقد نہیں کیا تو خدا نے میرا بھی دل توڑ دیا یعنی تجھ سا جہاں بیٹا مجھ سے بڑھے باپ کو داغ مفارقت دیئے جاتا ہوا آہ افسوس اگر میں جانتا کہ تلوگوں کو آپس میں اتنی محبت ہو تو ضرور تمہاری شادی کر دیتا۔ لیکن افسوس کہ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔



# اخبار سہ ماہی لکھنؤ

مضامین نہایت دلچسپ سرخیان بہت عمدہ  
شمالی ہند کا نہایت ہی قابل دید اخبار ہے  
ہفتہ میں دو بار پابندی وقت کے ساتھ شائع ہوتا ہے  
قیمت سالانہ پانچ روپیہ

# اخبار آئینہ لکھنؤ

مضامین مفید عام و دلچسپ  
خبریں نئی اور تازہ  
تجارت اور کاشتکاروں کا سپا حامی  
سالانہ چندہ صرف عا